اَلَا لَا یَجْھَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا ۞ فَنَجْھَلَ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنَا

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۞

خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ ۞

رسومِ جاہلیّت

یعنی

زمانۂ اسلام سے پیشتر کے عربوں کی جملہ رسوم کا مفصّل تذکرہ

جس میں

اُنکے عقائد و اعمال عبادات و معاملات وہمیات و تخیلات اور اُنکے تہوار میلے وغیرہ امور بہ تفصیل تمام بیان کئے گئے ہیں

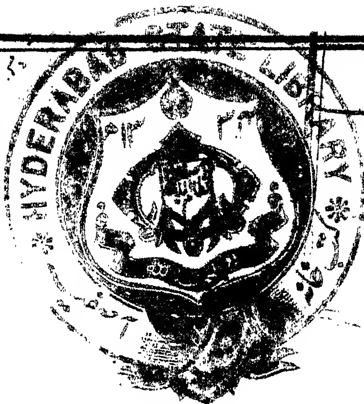
از

مولانا مولوی نجم الدّین صاحب سیوہاری مؤلف سیر [illegible]

جسکو حسب اجازت مؤلف دار الکتب انجمنی لاہور نے

سنہ ۱۹۰۶ء

خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ صَلِّ وَسَلِّمْ يَا اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ نُوْرِ اللّٰهِ ؕ

شَهِدْتُ بِاَنَّ خَالِقَنَا قَدِيْرٌ	هُوَ الرَّحْمٰنُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَا
وَاَرْسَلَ خَاتَمًا لِلْاَنْبِيَاءِ	رَسُوْلًا شَاهِدًا فِی الْاُمِّيِّيْنَا
وَفَضَّلَهٗ عَلٰى كُلِّ الْبَرَايَا	بِاِنْزَالِ الْكِتَابِ الْمُسْتَبِيْنَا[1]
شَرِيْعَتُهٗ وَاِنْ نَزَلَتْ اَخِيْرًا	وَلٰكِنْ كَانَ فَخْرَ الْاَوَّلِيْنَا
فَهَلْ مِنْ مُدَّعٍ يَاْتِیْ كِتَابًا	هُدًى نُوْرًا وَفُرْقَانًا مُّبِيْنَا
وَهَلْ فِی الْخَلْقِ مَبْعُوْثٌ سِوَاهُ	رَءُوْفًا رَاحِمًا بِالْمُؤْمِنِيْنَا
فَفِی الْكَوْنَيْنِ لَيْسَ لَهٗ نَظِيْرٌ	وَلَا فِی الْاَنْبِيَاءِ الْمُرْسَلِيْنَا
فَصَلَّى اللّٰهُ مَا دَامَ السَّمَاءُ	عَلٰى مَحْبُوْبِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَا

[1] اس مصرع پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ ہماری نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ عربی دان حضرات ہمیں اس میں معذور سمجھیں۔ کیونکہ یہ شعر محبت بھرے دل سے نکلا ہے۔ ہم نے لفظ المستبینا الکتاب کی صفت میں استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اسکو الکتاب سے حال ڈالا ہے۔ رہی یہ بات کہ معرفہ حال واقع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ سو عربی شعراء کے کلام میں معرفہ کا حال واقع ہونا پایا جاتا ہے۔

دیباچہ از مؤلف

رسوم جاہلیّت کی ضرورت

ناظرین پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے آگاہ ہونا۔ اور اُس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے عقاید کے بموجب یہی دو چیزیں بندوں کی ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہیں۔ اور انہیں پر تمسک کرنے سے انسان خدا کے دربار تک پہنچ سکتا ہے۔ جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عامل ہے وہ ہدایت پر ہے۔ اور جو ان دونوں مصابیح الہدیٰ کی روشنی سے فایدہ نہیں اُٹھاتا وہ گمراہ ہے چونکہ اسلامی اعمال و عقاید کی بنا قرآن و حدیث پر ہے۔ اسلیئے اسلامی علوم میں یہ دونوں چیزیں اصل اصول ہیں۔ انکے بعد جو کچھ رتبہ ہے وہ عربی علم ادب کا ہے۔ کیونکہ صرف و نحو۔ معانی و بیان۔ اور بہت سے علوم۔ عربی علم ادب سے ماخوذ ہیں۔ غرض اسلامی اعمال و عقاید اور علوم کا سرچشمہ کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ اور عربی علم ادب ہے لیکن ان تینوں کا سمجھنا موقوف ہے رسوم جاہلیت پر۔ جو شخص رسوم جاہلیت سے واقف نہیں۔ وہ قرآن و حدیث اور عربی علم ادب کا صحیح مطلب کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جسقدر بڑے بڑے مفسر اور محدث گزرے ہیں وہ سب رسوم جاہلیت کے عالم تھے۔ خصوصاً ابن عباس۔ قتادہ۔ مجاہد۔ ابو عبیدہ۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑی فضیلت یہی تھی کہ وہ رسوم جاہلیت سے پورے واقف تھے۔

اگرچہ علماء کرام بخوبی جانتے ہیں کہ حدیث و قرآن کا صحیح مطلب سمجھنا۔ اور اکثر آیات و احادیث کی تیات معلوم کرنا رسوم جاہلیت پر موقوف ہے۔ تاہم عام ناظرین کے ذہن نشین کرنے کیلئے مثال کے طور پر ہم بعض ایسی آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں جو اپنی تفسیر میں رسوم جاہلیت کی محتاج ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ	حرام کیا گیا تم پر مُردار اور خون اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام پکارا گیا اللہ کے سوائے کا۔ اور جو مر گیا

وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى
النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

گلا گھٹ کر یا چوٹ سے ۔ یا گر کر یا سینگ مارنے سے
اور جسکو کھایا پھاڑنیوالے جانوروں نے ۔ مگر جو تم نے
ذبح کر لیا۔ اور جو ذبح ہوا کسی تھان پر۔ اور استخارہ کے پانسے ڈالنا کیونکہ یہ تمام چیزیں فسق ہیں ۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ۔ کہ استخارہ کے پانسے ڈالنا حرام ہے لیکن یہ نہیں بتلایا کہ استخارہ کے پانسے جنکا ڈالنا حرام ہے کیسے ہوتے ہیں اور کیونکر ڈالے جاتے ہیں ۔ پس تاوقتیکہ آدمی رسوم جاہلیت سے واقف نہ ہو کلام الٰہی کی مراد سے پورے طور پر واقف نہیں ہو سکتا ۔

اسی آیت میں ایک یہ اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے میتہ کو حرام فرما دیا تو اُسمیں وہ کل جانور آگئے جو گلا گھٹ کر یا چوٹ سے ۔ یا گر کر ۔ یا کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرے ہوں ۔ یا اُنکو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو ۔ کیونکہ ہر ایک مرے ہوئے جانور کو میتہ کہتے ہیں ۔ خواہ وہ کسیطرح مرا ہو ۔ پس میتہ کے حرام کرنیکے بعد اس تفصیل کی کیا ضرورت تھی ۔ کہ جو جانور گلا گھٹ کر یا چوٹ سے یا گر کر ۔ یا سینگ مارنے سے مرے ہوں وہ اور نیز وہ جنکو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو حرام ہیں ۔ یہ اشکال شاید ہماری طرح بہت سے لوگوں کے دلوں کو خلجان میں رکھتا ہو ۔ لیکن اسکے دور ہونیکی بجز اسکے اور کوئی سبیل نہیں ہے کہ آدمی رسوم جاہلیت سے واقف ہو ۔ یہاں ہمیں اس اشکال کے دور کرنیکی ضرورت نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ اشکال ہمارے ناظرین کے دلوں کو فقط اسیوقت تک خلجان میں رکھے گا جبتک رسوم جاہلیت اُنکے سامنے نہیں ہے ۔ جہاں اُنہوں نے رسوم جاہلیت کا مطالعہ کیا اور یہ اشکال دور ہوا ۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ
يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا
أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ
اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۵

اے محمدؐ کہدے کہ جو حکم مجھکو پہنچا ہے ۔ اُسمیں کسی
کھانے والے پر کسی چیز کا کھانا حرام نہیں ہوا سوائے
اسکے کہ وہ مردہ ہو یا بہتا ہوا خون ۔ یا گوشت سور
کا کہ وہ ناپاک ہے یا وہ گناہ کی چیز جس پر خدا کے سوا
کسی اَور کا نام لیا گیا ہو ۔ لیکن جو شخص مجبور ہو
بشرطیکہ وہ نافرمان اور حد سے گزر جانے والا نہ ہو تو تیرا رب معاف کرنیوالا مہربان ہے ۔

ظاہراس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بجز اُن چار چیزوں کے جنکا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور کسی چیز کا کھانا مسلمانوں پر حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں محرّمات کا خدا تعالےٰ نے ان چار چیزوں میں حصر کر دیا ہے۔ حالانکہ اسلام میں ان چار چیزوں کے سوا اور بھی بہت سی چیزوں کا کھانا حرام ہے پس ضرور ہے کہ اس آیت کے ایسے معنی بیان کئے جائیں جو اُصول اسلام کے خلاف نہ ہوں۔ اور وہ معنی بغیر اس کے معلوم نہیں ہو سکتے کہ آدمی رسوم جاہلیت سے واقف ہو جو علماء رسوم جاہلیت سے واقف تھے انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں سخت ٹھوکر کھائی۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے اسی آیت کی بنا پر گدھے کو حلال قرار دیا حالانکہ بانی اسلام نے گدھے کو حرام فرمایا ہے۔ لیکن جو علماء رسوم جاہلیت سے خبردار تھے انہیں اس آیت کا مطلب سمجھنے میں کچھ بھی دقت پیش نہ آئی۔ اور آیت کا وہ مطلب بیان کیا جو خدا اور شارع کا اصل مقصود تھا ؛

اِس آیت کی صحیح تفسیر ہم نے کتاب سیرۃ الشافعی میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؛

اِس آیت کی تفسیر میں جو پہلو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ وہ حقیقت میں نہایت ہی معقول ہے اور اُس سے دل کو پوری تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اور جو ظاہری اشکال آیت میں پیدا ہوتا ہے یک لخت اُٹھ جاتا ہے۔ اور آیت میں کسی قسم کے نسخ یا تاویل وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ کلام کفار کی ضد بیجا اور عناد ناحق کی بناء پر نازل ہوا ہے۔ جو انہوں نے حلت میتہ اور خنزیر اور دم وغیرہ میں اختیار کر رکھا تھا۔ اِس آیت میں کفار کے مقابلے میں کلام کو زور دیکر کہا گیا ہے کہ میں اُسی چیز کو حرام پاتا ہوں جسکو تم نے حلال کر رکھا ہے۔ پس آیت سے اُن چیزوں کی حلت ثابت نہیں ہوتی جن کا اِس آیت میں ذکر نہیں۔ کیونکہ اس آیت کا مقصود صرف اشیاء مذکورہ کا حرام ثابت کرنا ہے۔ نہ کسی چیز کا حلال ہونا۔ اِس کی مثال بعینہ ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کو شیرینی کھانے سے روکا جائے۔ اور وہ ضد سے کہے کہ میں تو شیرینی ہی کھاؤنگا۔ پس مقصود اس کلام سے صرف اُس شخص کی مخالفت ہے۔ نہ یہ کہ در حقیقت شیرینی کے سوا وہ اور کوئی چیز نہ کھائیگا۔ اسیطرح آیت مذکورہ صدر کا مطلب صرف اسیقدر ہے۔ کہ جن چیزوں کو تم حلال

سمجھتے ہوئے انہیں ہی حرام پاتا ہوں۔ اس سے یہ مقصود ہرگز نہیں۔ کہ ان چیزوں کے سوا اَور تمام چیزیں حلال ہیں۔ حصر فقط انکے نقض دعوٰی کی غرض سے ہے۔ نہ کسی اَور غرض سے ؀

امام الحرمین ابوالمعالی جو امام غزالی کے استاد تھے۔ اور اپنے زمانہ میں ہر قسم کے علوم و فنون میں بےمثل اور یکتا خیال کئے جاتے تھے۔ امام شافعیؒ کی اس تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر امام شافعیؓ کا ذہن اسطرف نہ جاتا۔ اور وہ اِس آیت کی تفسیر بیان نہ کرتے تو ہمیں اس آیت کا صحیح مطلب سمجھنے میں بڑی دشواری پڑتی ؀

ایک مرتبہ یحییٰ بن معین۔ امام احمد بن حنبل۔ اور اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہم مکے آئے۔ اور اُنھوں نے عبد الرزاق محدث کے پاس جانے کا قصد کیا۔ جب یہ تینوں مسجد الحرام میں پہنچے تو وہاں ایک نوجوان کو دیکھا جو ایک کرسی پہ بیٹھا تھا۔ اُس کے ارد گرد بہت سی خلقت تھی اور وہ نوجوان نہایت بےباکانہ طور پر کہہ رہا تھا کہ اے اہل شام اور اے اہلِ عراق مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی نسبت جو چاہو دریافت کرو۔ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پاس کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ نوجوان کون شخص ہے جو اسطرح بےباکانہ گفتگو کر رہا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ شافعی مطلبی ہے۔ تب میں نے امام احمد سے کہا کہ آؤ ذرا اس شخص کے قریب چل کر بیٹھیں۔ جب ہم اُس کے قریب پہنچے تو میں نے امام احمد سے کہا کہ اس شخص سے اس حدیث کے معنی دریافت کرو اقِرّوا الطیور فی اوکارھم۔ امام احمد نے کہا کہ اس میں پوچھنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ کیونکہ اس کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ رات کے وقت طائروں کو اُن کے آشیانوں میں چھوڑ دو۔ لیکن میں تمہارے کہنے سے دریافت کئے لیتا ہوں۔ غرض امام احمد نے امام شافعیؓ سے اس حدیث کی تفسیر دریافت کی۔ انھوں نے کہا کہ جاہلیت میں دستور تھا۔ کہ لوگ سفر کرتے وقت پرندوں کو اڑایا کرتے تھے۔ اگر وہ دہنی طرف کو اڑتے تو وہ لوگ اسے بڑی نیک فال سمجھتے۔ اور اپنا کام شروع کرتے۔ اور اگر بائیں جانب کو اڑتے تو

وہ اُسے بڑی بدفالی اور شومی خیال کرتے۔ اور اپنے ارادہ سے رک جاتے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو آپ نے اس رسم قبیح کو مٹانا چاہا۔ اور فرمایا کہ پرندوں کو تو اُن کے آشیانوں میں چھوڑ دو اور تم خدا کا نام لیکر اپنا کام شروع کرو۔ امام صاحب کی یہ تقریر سُنکر اسحاق بن راہویہؓ امام احمد سے کہنے لگے کہ اگر ہم عراق سے حجاز کا سفر فقط اس ایک ہی حدیث کی تفسیر کے لیئے کرتے تو بھی ہمارا سفر رائگاں نہ جاتا +

ایک مرتبہ حفص الفرد نے جو اخبار احاد کا سخت منکر تھا امام شافعیؒ سے دریافت کیا کہ اے ابو عبد اللہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بلافایدہ نہیں ہے۔ بھلا اس حدیث میں کیا فایدہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اس حدیث میں بڑا فایدہ ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں؟ کہ اہل عرب کا خیال تھا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کمر کے درد کے لیئے شفا ہے۔ پس اسی لیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا کہ اگر اہل عرب کا یہ قول صحیح ہے اور کوئی طبی فائدہ اس سے متصور ہے تو گویہ فعل بظاہر دنامت اور رذالت پر دلالت کرتا ہے لیکن درصورت نفع اس میں کوئی مضایقہ نہیں +

ان واقعات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن کا صحیح مطلب فقط اُسی شخص کو معلوم ہو سکتا ہے۔ جو پورے طور پر رسوم جاہلیت سے واقف ہو۔ دیکھو حدیث اقروا الطیور فی اوکارہم کے معنی سمجھنے میں امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے جلیل القدر محدثین نے کیسی فاش غلطی کی۔ اور امام شافعی کو جو رسوم جاہلیت سے واقف تھے۔ اس کے معنی سمجھنے میں کچھ بھی دقت پیش نہ آئی یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رسوم جاہلیت کا علم حاصل کرنے کی طرف ائمہ کی توجہ کسقدر مبذول تھی۔ اور وہ اسکو کیسا ضروری خیال کرتے تھے +

رسوم جاہلیت کی اہمیت اور ضرورت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ سر دفتر محدثین حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن کا آغاز رسوم جاہلیت

ہی سے کیا ہے ۔

یہ امر کہ عربی علم ادب اور اشعار کا صحیح مطلب معلوم کرنا رسوم جاہلیّت پر موقوف ہے ۔ اظہر من الشمس ہے ۔ اس کے لئے کسی خاص مثال کی ضرورت نہیں ہے ۔ ناظرین رسوم جاہلیت میں ایسے بہت سے اشعار پائینگے جنکا مطلب فقط اسی کتاب سے معلوم ہو سکتا ہے تاہم مثال کے طور پر ہم ایک شعر علیحدہ بھی لکھتے ہیں ۔ امرء القیس کہتا ہے ؎

وما ذرفت عیناكِ الا لتضربی
بسهمیك فی اعشار قلب مقتّل

اے محبوبہ تیری آنکھ میں جو آنسو بھر آئے ہیں تو اس کا سبب بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ تو اپنے دونوں تیر میرے پارہ پارہ دل کے دسوں حصّوں میں مارے ۔

اس شعر کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہ ٹھیٹ لفظی ترجمہ ہے ۔ لیکن نہیں معلوم ہوتا کہ دو تیر اور دل کے دس حصّوں سے کیا مراد ہے ۔ اِس شعر کا صحیح مطلب معلوم کرنے کیلئے عرب کے جوے سے آگاہ ہونا نہایت ضرور ہے ۔ اور چونکہ اکثر بڑے بڑے علماء کو بھی جاہلیت کے جوے کی مفصل کیفیت معلوم نہیں ہے اسلئے اس شعر کا صحیح مطلب نہ خود انکی سمجھ میں آتا ہے اور نہ طلباء کو سمجھا سکتے ہیں ۔ ہم نے اکابر علماء کو دیکھا کہ جب وہ طلباء کو اس شعر کا مطلب سمجھاتے ہیں تو انکی پوری تسلّی نہیں ہوتی ۔ رسوم جاہلیّت کے دیکھنے کے بعد اس شعر کا مطلب سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے ۔ گو ہم نے رسوم جاہلیّت میں نہ یہ شعر لکھا ہے اور نہ اس کا مطلب بیان کیا ہے ۔ لیکن امید کرتے ہیں کہ ناظرین رسوم جاہلیت کو پڑھکر خود بخود اس کا مطلب سمجھ جائینگے ۔ یہاں فقط اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ دو تیروں سے مراد جوے کے دو پانسے ہیں ۔ کیونکہ سہام جس کا ترجمہ تیر کیا جاتا ہے جوے کے پانسوں کو بھی کہتے ہیں ۔ رہی یہ بات کہ دو پانسوں سے کونسے دو پانسے مراد ہیں سو شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو پانسے ہیں جن کے دس حصّے مقرر ہیں ۔ اب ناظرین کتاب ہذا میں جوے کا بیان پڑھیں اور اس شعر کا مطلب حل کریں ۔

غالباً اب ہمارے ناظرین رسوم جاہلیّت کی ضرورت سے بخوبی آگاہ ہوگئے ہونگے
لہذا ہم زیادہ سمع خراشی کرنا پسند نہیں کرتے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ہم نے کسی غیر ضروری
امر کی تائید یا تردید میں اوراق سیاہ نہیں کئے۔ بلکہ ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔
واقعات کی تحقیق و تنقید۔ اور عبارت کے سلیس اور عام فہم بنانے میں بھی ہم نے
کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بلکہ اپنی بساط کے مطابق جہانتک ہم سے ہوسکا ناظرین کی
دلچسپی کا پورا سامان مہیا کر دیا ہے۔ لیکن اس پر بھی ہم یہ دعوٰے ہرگز نہیں کرسکتے۔ کہ
اِس کتاب میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔ بندہ بشر ہے۔ اور بشر کے کام میں نقص
ضروری ہے۔ اگر قوم نے میری محنت کی داد دی تو میں اس کو ان کے حسنِ
اخلاق کا باعث خیال کروں گا۔ اخیر میں ناظرین کتاب ہذا سے التماس ہے۔ کہ
اِس عاجز کے حق میں دعاء خیر فرمائیں۔ اور اس کتاب میں جہاں کہیں کسی قسم
کی لغزش پائیں اس سے آگاہ کریں تاکہ طبع ثانی میں اس کی اصلاح کر دیجائے۔

خاکسار

نجم الدین سیوہاری



فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاہلیّت کی تعریف

جناب مسیح علیہ السلام کے رفع اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان جو زمانہ گزرا ہے۔ وہ جاہلیّت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ ہم اِس کتاب میں اِسی زمانہ کی رسوم لکھتے ہیں۔ لیکن خاص مشرکین عرب کی۔ کیونکہ اِصطلاحاً و عرفاً رسوم جاہلیّت خاص انہیں رسوم کو کہتے ہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پیشتر جزیرۂ عرب کے مشرکین میں رائج تھیں۔ دیگر اقالیم و بلادیا عرب کے اہل کتاب کی رسوم سے ہم کو کوئی تعلق نہیں۔ گو معنی لغوی کے اعتبار سے وہ بھی رسوم جاہلیّت میں داخل ہیں۔ ہاں یہ اَور بات ہے کہ بعض رسوم مشترک ہوں۔ یا اُن کو مشرکین عرب نے اہل کتاب سے لیا ہو۔ اور وہ ہماری اِس کتاب میں آگئی ہوں ؞



تھے جنکی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ یعنی نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے بلکہ اُس خدا کے آگے جھکو جس نے اُن دونوں کو پیدا کیا ہے +

مجوس - عرب کے بعض دیہات میں مجوس آباد تھے - یہ لوگ آگ کو پوجتے تھے - اور ماں بہن - بیٹی وغیرہ محرمات ابدیہ سے نکاح جائز جانتے تھے +

ملائکہ پرست اور جنّات پرست - دیہات کے بعض طائفہ فرشتوں اور جنّات کو بھی پوجتے تھے - اِس فرقہ کی تردید قرآن مجید کی اِس آیت میں کی گئی ہے -

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ۝

یعنی اُس دن کو یاد کرو جس دن ہم سب کو اکٹھا کرینگے - پھر فرشتوں سے پوچھینگے کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے - وہ کہینگے تو پاک ہے تو ہی ہمارا والی وارث ہے - نہیں ہیں - یہ لوگ ہمیں نہیں پوجتے تھے بلکہ جنّوں کو پوجتے تھے - اور ان میں سے اکثر لوگ جنّوں ہی پر ایمان رکھتے تھے +

اس آیت میں جو فرشتوں نے اپنی پرستش کا انکار کیا ہے - اُس کا مطلب یہیں ہے کہ وہ لوگ سرے ہی سے فرشتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے - کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو خدا کے فرشتوں سے پوچھنے کے کیا معنی تھے - کیا وہ عالم الغیب فضول سوال کر سکتا ہے - بلکہ فرشتوں کے قول کا مطلب یہ ہے - کہ ہم نے اِن کو اپنی پرستش کے لیئے اغوا نہیں کیا تھا - یہ کام جنّات کا ہے - جنّات ہی پر یہ لوگ ایمان رکھتے تھے اور اُنہیں کا کہا مانتے تھے - انہوں نے ہی اِن سے ہماری پرستش بھی کرائی ہو گی +

زنادقہ - یہ فرقہ جہان کے دو خالق مانتا تھا - ایک خیر اور نور کا اور دوسرا شر اور

ظلمت کا۔ ابن قُتیبہ نے معارف میں اِس فرقہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اِس کے عقاید کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ قُریش میں کچھ لوگ زندیق تھے۔ جنہوں نے اِس مذہب کو حِیرہ سے لیا تھا۔ حِیرہ چونکہ بلاد فارس میں واقع تھا۔ اور اُس میں جو عرب رہتے تھے وہ یا پارسی دین رکھتے تھے یا عیسائی۔ پس جو عقاید حِیرہ سے ماخوذ ہوں گے وہ لامحالہ پارسی ہوں گے۔ کیونکہ عیسائی عقاید والوں کو زندیق کہنے کے کوئی معنی نہیں غرض ابن قُتیبہ کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں یہ مذہب پارس سے آیا تھا۔ اور چونکہ پارسیوں کے عقاید میں سب سے مقدم یہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو خالق مانتے ہیں۔ اس لئے ہم نے اس فرقہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ وہ دو خالق مانتا تھا ◆

صابئین۔ یہ وہ قوم تھی جس سے رئیس الموحّدین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کواکب پرستی میں مناظرہ کیا تھا۔ اور ستارہ اور چاند اور سورج کے چھپنے سے اُن کو قائل کیا تھا کہ یہ چیزیں معبود بننے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ یہ چیزیں زوال پذیر ہیں۔ ایک حالت پر قایم نہیں رہتیں۔ اور معبود وہ ہونا چاہئے۔ جو بے زوال ہو۔ غرض جس قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وہ قوم صابی کہلاتی ہے ◆

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر صابئین کی دو قسمیں تھیں۔ حُنفاء اور مُشرکین۔ حُنفاء وہی لوگ ہیں جن کا ذکر پہلے موحّدین میں گزر چکا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے تھے۔ اِس لئے کُفّارِ قُریش آپ کو بھی صابی کہتے تھے ◆

مشرکین سبعہ سیّارہ اور بارہ برجوں کو پوجتے تھے۔ سبعہ سیّارہ۔ شمس۔ قمر۔ زہرہ۔ مشتری۔ مریخ۔ عطارد۔ زحل۔ کے لئے اُنہوں نے علیحدہ علیحدہ ہیکلیں

بنائی تھیں۔ جن میں اُن کی تصویریں تھیں۔ اِن ستاروں کے لیئے اُن کے ہاں خاص خاص عبادتیں اور دعائیں مقرر تھیں۔ بنجومیوں کی طرح نچھتروں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کی حرکات وسکنات اور تمام کاروبار کا مدار نچھتروں پر تھا۔ اور بارش کو نچھتروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ چونکہ نبوت کے یہ لوگ سرے ہی سے قایل نہ تھے۔ اِس لیئے اِن کا کوئی خاص دین نہیں تھا۔ بلکہ اِن کا اصل اصول یہ تھا کہ اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق ہر دین میں سے عمدہ عمدہ باتیں چُن لیتے تھے۔ گویا یہ لوگ اِس زمانہ کے برہمو تھے +

دہریہ۔ جاہلیت میں بعض قبائل دہریہ تھے۔ جو خدا اور جزاے اعمال کے منکر تھے۔ اور عالم کو قدیم مانتے تھے۔ اِس فرقہ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنيَا نَمُوتُ وَنَحيَا وَمَا يُهلِكُنَا اِلَّا الدَّهرُ۔ یعنی سوائے دنیا کی زندگی کے اَور کچھ نہیں۔ زمانہ کی تاثیر سے خود بخود ہی ہم مرجاتے ہیں۔ اور خود بخود ہی پیدا ہوجاتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی مار دیتا ہے +

بُت پرست۔ ابوالمنذر ہشام بن محمد بن سایب کلبی نے کتاب الاصنام میں بُت پرستی کی بُنیاد یوں لکھی ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے مکے میں سکونت اختیار کی۔ وہاں اُن کی نسل اِس کثرت سے پھیلی کہ مکہ بھر گیا۔ اور اُنہوں نے ایکا کرکے اُن عمالیق کو جو مکے میں رہتے تھے وہاں سے نکال دیا۔ اِس پر بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تمام اولاد مکے میں نہ سما سکی۔ اور مکے میں جب کوئی غیر نہ رہا تو خود اُن میں آپس میں عداوتیں واقع ہوئیں اور خانہ جنگیاں ہونے لگیں۔ جو فریق غالب آیا۔ اُس نے فریق مغلوب کو نکالدیا۔ اِس طرح اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد معاش اور مسکن کی تلاش میں اِدھر اُدھر منتشر ہوگئی۔ اور جہاں جسکو ٹھکانا ملا وہاں آباد ہوگئی۔ بتوں اور پتھروں کی پوجا کا سبب یہ ہوا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم اور حج اور عمرہ کی رسم اُن میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

کے وقت سے بطور وراثت کے چلی آتی تھی۔ اور اُن کو کعبہ کے ساتھ غایت درجہ کی محبت اور انتہا درجہ کا عشق تھا۔ اِس لئے جب کوئی شخص حَرَم سے باہر سفر کرتا تو حَرَم کعبہ کی تعظیم کے خیال سے حَرَم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اپنے ساتھ لے جاتا اور جہاں ٹھیرتا اُس کو اپنے آگے رکھکر کعبہ کی طرح اُس کے گرد طواف کرتا۔ پھر اُن کے بعد اُن کی اولاد نے جب یہ دیکھا کہ ہمارے بزرگ پتھروں کی تعظیم کرتے تھے تو وہ اُس کی غرض و غایت کو نہ سمجھے اور ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کا دین چھوڑکر بتوں کو پوجنے لگے۔ اور اُمَم سابقہ قوم نوح وغیرہ کی روش اختیار کرلی۔ جس پتھر کو چاہتے تھے پوجنے لگتے تھے۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ دین اسمٰعیل علیہ السلام پر باقی رہے اگرچہ اُنہوں نے بھی اُس میں بعض وہ باتیں داخل کرلیں جو اُس میں نہیں تھیں[۱]۔

یہ سبب ہوا مکّے اور اُس کے نواح سے باہر بُت پرستی کے پھیلنے کا۔ لیکن مکّے اور اُس کے نواح میں جس شخص نے سب سے پہلے دین اسمٰعیل علیہ السلام کو بدلا اور بُتوں کو قائم کیا۔ اور سائبہ اور بحیرہ اور وصیلہ اور حام چھوڑے وہ عمرو بن لُحَیّ خزاعی ہے یہ شخص عرب کے مشہور قبیلہ خُزاعہ کا جد اعلیٰ ہے جسکی طرف قبیلہ خُزاعہ منسوب ہے۔ اِس کی ماں کا نام فُہَیرہ تھا جو عمرو بن حارث کی بیٹی تھی۔ عمرو اس کا نانا یعنی فُہَیرہ کا باپ مکّے کا اخیر متولّی تھا جسکے بعد عمرو بن لُحَیّ اُس کا نواسا مکّے کا متولّی ہوا۔ اُسکے بعد سے خانہ کعبہ اور مکّے کی تولیت خُزاعہ میں ہوگئی۔ اور تین سو برس تک اِسی قبیلہ میں رہی[۲]۔

اِس کے بتوں کے قایم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ خانہ کعبہ کے متولّی ہونیکے بعد یہ شخص بیمار ہوگیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ بلقاء شام میں ایک حمّام ہے۔ اگر تو وہاں جائے اور اُس میں غسل کرے تو تجھے آرام ہوجائے۔ یہ وہاں گیا اور اس نے

---

[۱] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲۔ [۲] فتح الباری شرح صحیح بخاری۔

حمام میں غسل کیا۔ جس سے اسے آرام ہوگیا۔ وہاں کے لوگوں کو اس نے بتوں کو پوجتے دیکھا۔ اِس نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہیں جن کو تم پوجتے ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود ہیں۔ انہیں سے ہم مینہ برسنے کی دعا مانگتے ہیں۔ اور انہیں سے اپنے دشمنوں پر فتح مانگتے ہیں۔ اِس نے کہا کہ اِن میں سے کوئی ایک ہمیں بھی دے دو۔ اُنہوں نے اِس بات کو منظور کر لیا اور اسے ایک بُت دیدیا۔ جس کا نام ہُبَل تھا۔ جب یہ وہاں سے مکے آیا تو اُس بت کو اپنے ساتھ لیتا آیا اور اُسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا۔ یہ سب سے پہلا بُت ہے۔ جو خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔ اِس کے بعد یہ جدّہ گیا اور وہاں سے ودّ۔ سُواع۔ یَغُوث۔ یَعُوق اور نَسر یہ پانچ بُت اُٹھا لایا اور اُن کو خانہ کعبہ کے گرد کھڑا کر دیا۔ یہ پانچوں بُت قوم نوح کے تھے۔ جو اس کی کوشش سے اہل عرب کے ہاتھ لگ گئے۔ اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور اِس کے کہنے سے عرب نے اِن بتوں کو پُوجنا شروع کر دیا[1]

اِن بتوں کی کیفیت یہ ہے کہ یَزد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام کے وقت میں ودّ۔ سُواع۔ یَغُوث۔ یَعُوق۔ اور نَسر پانچ آدمی تھے جو نہایت صالح اور متقی و پرہیزگار تھے۔ اتفاقاً پانچوں ایک ہی مہینے میں مر گئے ان کے قریبی رشتہ داروں کو ان کے مرنے کا نہایت رنج ہوا۔ اور زیادتی غم والم کی وجہ سے اُن کے کاروبار میں فرق آگیا۔ اُن کا اندوہ وغم اور رنج والم روز بروز بڑھتا گیا اور کسی طرح اُن کے بیقرار دل کو تسکین نہ ہوئی۔ اُن کی محبت جوش مارتی تھی لیکن صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ جب اُن کی بے صبری حد سے بڑھ گئی۔

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں یہ سب باتیں لکھی ہیں۔ لیکن ان میں عَمرو کے بیمار ہونے اور حمام کا ذکر نہیں ہے۔ وہ ہم نے بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ سے لیا ہے۔

تو نبی قابیل میں سے ایک شخص نے اُن سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اُن کی صورت پر پانچ بت بنادوں۔ ان بتوں اور اُن بزرگوں کی صورت میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا۔ البتہ میں اُن میں فقط روح نہیں ڈال سکتا۔ انہوں نے اس امر کو بخوشی منظور کرلیا۔ اُس نے اُن کی صورت پر پانچ بت بنا کر ان کے لیئے ایک جگہ کھڑے کردیئے۔ جب وہ بت نصب ہوگئے تو ہر ایک بت کے پاس اُس کے بھائی۔ بھتیجے۔ چچا۔ اور اَور رشتہ دار آتے۔ اُس کی تعظیم کرتے اور اُس کے گرد پھرتے۔ یہاں تک کہ یہ قرن یہی طرح گزر گیا۔ جب دوسرا قرن آیا تو اس قرن کے لوگوں نے ان بتوں کی پہلے قرن والوں سے زیادہ تعظیم کی۔ اور اِس طرح روز بروز ان کی تعظیم بڑھتی رہی۔ پھر جب تیسرا قرن آیا تو اس قرن کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے جو ان بتوں کی تعظیم کی ہے تو غالباً اس لیئے کی ہے کہ انہیں یہ قوی امید تھی کہ یہ بت خدا کے ہاں اُن کی شفاعت کریں گے۔ یہ قیاس دوڑا کر انہوں نے ان بتوں کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور اُنہیں پوجنے لگے۔ اور ان کا کفر اَور بڑھ گیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تک یہ بت پجتے رہے۔ اور روز بروز لوگوں کے دلوں میں اُن کی تعظیم بڑھتی رہی۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی تعظیم اور پرستش میں اَور بھی مبالغہ کیا۔ ہر چند اس برگزیدہ خدا نے سمجھایا کہ بھائیو خدا کے سوا اَور کوئی قابل پرستش نہیں ہے۔ اِن بتوں کو چھوڑ دو اور خدا کے آگے جھکو۔ لیکن اُن بدنصیبوں نے ایک نہ سنی نوح ع کا مقابلہ کیا اور سب نے مل کر کہا کہ لا تذرن الھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا ط اس کے کہنے سے تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔ نہ ود کو چھوڑو نہ سواع کو۔ اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو آخر ان بدکرداروں پر خدا کا غضب نازل ہوا اور وہ طوفان آیا جس کا ذکر خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ طوفان ان پانچوں بتوں کو بہا کر جدہ لے آیا۔ پانی خشک ہو جانے کے بعد یہ بت نہر جدہ کے

ایک کنارہ پر پڑے رہ گئے۔ اور پھر اس کے بعد ہمیشہ ہوا سے مٹی اُڑ اُڑ کر اُن کے اوپر پڑتی رہی۔ اور اس طرح ایک عرصہ کے بعد زمین میں گڑ گئے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے

عرب میں ان بتوں کے آنے کا سبب یہ ہوا کہ عمرو بن لحیؓ خزاعی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ایک کاہن تھا۔ جس کا ایک جن تابع تھا۔ اُس جن نے اسے ورغلانا اور یہ حکم دیا کہ یہاں سے جلد روانہ ہو۔ اور سعادت اور سلامتی کے ساتھ تہامہ سے سفر کر۔ جدّہ جا وہاں تو چند بت بنے بنائے تیار پائے گا۔ ان کو تہامہ میں لا اور کسی سے نہ ڈر۔ پھر تمام عرب کو ان کی عبادت کی طرف بلا۔ عرب تیرا کہا مانیں گے[1]۔

جن کا یہ حکم سنکر عمرو بن لحیؓ نہر جدہ پر پہنچا اور نہر کھود کر اُن بتوں کو نکالا۔ اور تہامہ میں لایا۔ پھر جب حج کا موسم آیا اور اطراف و جوانب کے عرب مکے میں جمع ہوئے تو اس نے تمام عرب کو ان بتوں کی عبادت کی طرف بلایا۔ سب سے اول عوف بن عذرہ بن زید اللات نے اس کا کہا مانا۔ اُس نے اُس کو ود دے دیا۔ عوف نے اس کو دومۃ الجندل کے وادی القری میں نصب کر دیا۔ اور اس کے نام پر اپنے بیٹے کا نام عبدود رکھا۔ عرب میں یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اپنے بیٹے کا نام بت کے نام پر رکھا۔ پھر عوف نے اپنے بیٹے عامر کو اس کا مجاور بنا دیا۔ چنانچہ اسلام کے زمانہ تک اسی کی اولاد اُس بت کی مجاور رہی[1]۔

عمرو بن لحی مذکور اپنے وقت میں عرب میں نہایت مقتدر اور قابو یافتہ تھا۔ اہل عرب کے لئے جو شریعت تجویز کرتا تھا۔ اور جو جو بدعت نکالتا تھا۔ وہ اُس کو نہایت خوشی سے قبول کر لیتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص کاہن تھا۔ جن کو اہل عرب پیغمبروں کی طرح مانتے تھے۔ اس کے علاوہ خانہ کعبہ کا متولی اور حد درجہ کا سخی اور فیاض تھا۔ ایام حج میں لوگوں کو کھانا کپڑا دیتا تھا۔ اس کی سخاوت اور فیاضی کی

---

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ بغداد۔

یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ حج کے موسم میں ہمیشہ دس ہزار اونٹ قربان کرتا تھا۔ اور لوگوں کو دس ہزار جوڑے کپڑے پہناتا تھا[1]۔

بت پرست اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے اور اُن کے لئے حج اور قربانیاں بھی کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خالق کے وجود کے قائل تھے۔ عالم کو حادث مانتے تھے۔ اور مرنے کے بعد ایک قسم کے اعادہ کے سب مقر تھے گو اُس کی صورت اور کیفیت میں اختلاف تھا۔ جایز و ناجائز اور حرام و حلال کے بھی قائل تھے۔ ان کی توحید یہ تھی کہ خالق۔ رازق۔ لوگوں کے کام سنوارنے والا۔ نفع نقصان کا مالک اور پناہ دینے والا فقط ایک خدا کو جانتے تھے۔ اور ان امور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ کامل اعتقاد تھا کہ جہان کا پیدا کرنے والا مخلوق کا پالنے والا اور روزی دہندہ۔ لوگوں کے کام سنوارنے والا اور انہیں پناہ دینے والا نفع نقصان کا مالک سوائے ایک خدا کے اور کوئی نہیں ہے۔ ان کا یہ اعتقاد قرآن مجید کی ان آیات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ

ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله ○ ولئن سالتهم من خلقهم ليقولن الله ○ قل لمن الارض ومن فيها ان كنتم تعلمون سيقولون لله ○ قل من يرزقكم من السماء والارض امن يملك السمع والابصار ومن يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي ومن يدبر الامر فسيقولون الله ○	اگر تو ان سے پوچھے گا کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ اللہ نے اور اگر یہ پوچھے گا کہ خود ان کو کس نے پیدا کیا تو اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو اُن سے کہہ کہ زمین اور اُس کے اندر کی چیزیں کس کی ملک ہیں اگر تمہیں علم ہے۔ تو بتلاؤ۔ وہ اس کا بھی یہی جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ تو اُن سے پوچھ کہ بھلا تمہیں آسمان

[1] دیکھو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔

اور زمین میں سے روزی کون دیتا ہے اور بھلا شنوائی اور بینائیوں کا مالک کون ہے اور مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے اور لوگوں کے کام کون سنوارتا ہے وہ ان سب باتوں کا جواب یہی دیں گے کہ اللہ۔ باوجود اس اقرار ربوبیت کے جو یہ لوگ بتوں کو پوجتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ بتوں کی عبادت سے بھی ان کا مقصود خدا ہی کی عبادت اور اس کا تقرب تھا۔ بتوں کی پرستش کی وجوہات ہر گروہ اور فرقہ نے علیحدہ علیحدہ قائم کی تھیں۔ لیکن مال سب کا ایک ہی تھا۔ بعض کا یہ قول تھا کہ ہم میں اس قدر قابلیت نہیں ہے جو خدا کی عبادت بلا واسطہ کریں۔ کیونکہ خدا کی شان عظیم ہے ہم بلا واسطہ اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں خدا تک پہنچا دیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا یہ قول موجود ہے۔ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی یعنی ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہمارا قرب بڑھا دیں۔ بعض کہتے تھے کہ خدا کے نزدیک فرشتوں کا بڑا مرتبہ ہے۔ اس لئے ہم نے ان کی صورت پر بت بنائے ہیں تاکہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔ بعض کہتے تھے کہ ہم نے بتوں کو خدا تعالے کی عبادت کیلئے اپنا قبلہ مقرر کیا ہے جیسا کہ اس کی عبادت کے لئے کعبہ بھی ایک قبلہ ہے بعض کا یہ اعتقاد تھا۔ کہ ہر بت پر خدا کے حکم سے ایک شیطان مقرر ہے۔ پس جو شخص بت کی عبادت خوب جی لگا کر کرتا ہے خدا کے حکم سے شیطان اسکی حاجتیں پوری کر دیتا ہے ورنہ خدا ہی کے حکم سے شیطان اسکو تکلیف دیتا ہے۔

پھر ان بت پرستوں میں سے بعض حشر اور قیامت کے منکر تھے چنانچہ قرآن مجید میں انکا یہ قول بیان کیا گیا ہے۔ ءاذا متنا وکنا ترابا وعظاما ءانا لمبعوثون اوآباءنا الاولون یعنی جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا ہم پھر زندہ کئے جائینگے یا ہمارے اگلے باپ دادا زندہ کئے جائینگے۔ انکار حشر کے متعلق عرب جاہلیت کے بہت سے اشعار موجود ہیں ایک شاعر کہتا ہے[۵]

حیاۃ ثم موت ثم نشر[۵۱]	جینا پھر مرنا۔ پھر اس کے بعد حشر اے
حدیث خرافۃ یا ام عمرو	ام عمرو یہ بات منجملہ خرافات کے ہے

۵۱۔ دیکھو حاشیہ ضمیمہ نمبر ۲ اسلاف ۱۱۳

اس شعر کے دوسرے مصرع کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہ زبان اُردو کا لحاظ رکھکر کیا ہے۔ ورنہ اس کا صحیح اور لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اے امّ عمرو یہ بات حدیث خُرافہ ہے۔ پس تاوقتیکہ حدیث خُرافہ بیان نہ کیجائے اس شعر کا صحیح مطلب معلوم نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ہم حدیث خُرافہ بیان کرتے ہیں +

حدیث خُرافہ زمانہ قدیم سے بطور ضرب المثل کے لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ اہل عرب ہر ایک بے حقیقت اور جھوٹی بات کو حدیث خُرافہ کہتے ہیں۔ خرافہ ایک شخص کا نام تھا جس نے ایک عجیب و غریب حدیث بیان کی تھی۔ اور وہ حدیث یہ ہے:

حدیثِ خرافہ

اُمّ المومنین جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے حدیث خُرافہ بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا خدا خُرافہ پر رحم کرے وہ ایک نیک آدمی تھا۔ اُس نے مجھ سے اپنا قصہ یوں بیان کیا تھا کہ ایک رات وہ اپنے کسی کام کے لئے کہیں جا رہا تھا۔ رستے میں اُسے تین جن مل گئے۔ جنہوں نے اُسے پکڑ کر قید کر لیا۔ قید کرنے کے بعد اُن تینوں نے اس کے بارہ میں اختلاف کیا۔ ایک نے کہا کہ مناسب یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِس پر احسان رکھکر اسے چھوڑ دو۔ دوسرے نے کہا نہیں ہم اُسے قتل کرینگے۔ تیسرے نے کہا قتل سے کیا فایدہ ہم سے اپنا غلام بنا کر رکھیں گے۔ غرض وہ تینوں اس کے بارہ میں مشورہ کر رہے تھے۔ اور ہنوز کسی بات پر اُن کی رائے متفق نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں اُن کے پاس ایک آدمی آیا اور اُس نے انکو سلام کیا۔ اُنھوں نے اس کے سلام کا جواب دیا سلام کے بعد اُس نے اُن سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم جن ہیں۔ اس آدمی کو ہم نے قید کیا ہے۔ سو ہم اسکے بارہ میں مشورہ کر رہے ہیں کہ اِسے کیا کریں۔ اُس نے کہا کہ اگر میں تمہیں ایک عجیب حدیث سناؤں تو اس شخص میں مجھے بھی اپنے ساتھ شریک کر لوگے؟ اُنھوں نے کہا ہاں۔ اگر تو نے ہمیں کوئی عجیب حدیث سنائی تو ہم ضرور اس آدمی میں تجھے اپنا ساجھی کر لیں گے۔ اُس نے کہا تو سنو میرا قصہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ میں ایک بہت بڑا امیر اور مالدار آدمی تھا۔ خدا نے ہر قسم کی دولت اور نعمت مجھے دی تھی لیکن جب میری تقدیر بگڑی تو میری ساری دولت و ثروت جاتی رہی اور مقروض ہو گیا۔ جب قرضخواہوں نے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور میں ادا نہ کر سکا تو اپنا شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ رستے میں مجھے شدت سے پیاس لگی۔ میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور پانی پینے کی غرض سے اسکے اندر اُترا۔ کنوئیں کے اندر سے کسی شخص نے چلا کر کہا کہ خبردار پانی نہ پینا۔ میں وہ آواز سنکر کنوئیں سے باہر نکل آیا اور پانی نہ پیا۔ اسکے

بعد پیاس نے مجھ پر اور بھی غلبہ کیا۔ میں پھر کنوئیں میں اُترا۔ اُس شخص نے کنوئیں کے اندر سے پھر چلا کر کہا کہ خبردار پانی کو ہاتھ نہ لگانا۔ میں پھر بغیر پانی پیئے کنوئیں سے باہر نکل آیا۔ کنوئیں سے باہر آنیکے بعد پیاس نے مجھ پر اس شدت سے غلبہ کیا کہ مجھ سے مطلق صبر نہ ہو سکا اور تیسری بار پھر کنوئیں میں اُترا۔ اس مرتبہ بھی وہ اسی طرح چلایا۔ لیکن میں نے اُس کے چلانے کی کچھ پرواہ نہ کی اور پانی پی لیا۔ جب میں پانی پی چکا تو اس نے کہا کہ بارِ خدایا اگر یہ شخص مرد ہو تو اُسے عورت کردے۔ اور اگر عورت ہو تو اُسے مرد کردے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں اُسی وقت عورت بن گیا۔ اس کے بعد میں ایک شہر میں پہنچا وہاں ایک شخص نے مجھ سے نکاح کر لیا۔ میں اس کی زوجیت میں رہنے لگا اور اُس کے نطفے سے میں نے دو بچے جنے ایک مدت کے بعد میں اپنے شہر کو واپس ہوا اور اُسی کوئیں پر جس کا پانی پی کر میں عورت بن گیا تھا۔ گزرا۔ چونکہ مجھے پیاس بڑی زور کی لگی ہوئی تھی اس لئے میں پھر پانی پینے کی غرض سے اُس کنوئیں میں اُترا۔ اور جس طرح پہلی دفعہ چلانے والا چلایا تھا۔ اسی طرح اِس دفعہ بھی چلایا۔ لیکن پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اُس کا پانی پی لیا اور اُس کے چلانے کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اُس نے جس طرح پہلے دعا کی تھی اسی طرح اس مرتبہ بھی دعا کی جس سے میں عورت سے مرد بن گیا اور اپنی اصلی حالت میں آگیا جیسے پہلے تھا۔ پھر میں اپنے شہر میں آیا۔ وہاں میں نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اُس کے بطن سے میرے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ سو اس وقت میرے چار لڑکے ہیں۔ جن میں سے دو میری پیٹھ سے ہیں اور دو میرے پیٹ سے +

۔۔ اُنکی یہ حدیث سُنکر اُنہوں نے کہا کہ بیشک یہ حدیث عجیب ہے تو اس آدمی میں ہمارا شریک ہے +

ابھی وہ آپس میں مشورہ ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں اُن کے پاس سے ایک بیل گزرا جو ہوا کی طرح اڑا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ بیل اُن کے پاس سے گزر گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہاتھ میں لاٹھی لئے ہانپتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ اور اس کو سانس چڑھا ہوا ہے۔ وہ شخص انکے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور سلام کیا۔ اُنہوں نے اُسکے سلام کا جواب دیا۔ وعلیکم السلام کے بعد اُس نے اُن کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے اپنا سارا قصہ جس طرح پہلے شخص سے بیان کیا تھا اس سے بھی بیان کیا۔ اُسنے کہا کہ اگر میں تمکو اس سے بھی زیادہ عجیب حدیث سناؤں۔ تو تم مجھے بھی اس قیدی میں اپنے ساتھ شریک کرو گے؟ اُنہوں نے کہا ہاں۔ اگر تیری حدیث اس سے زیادہ عجیب ہوئی تو ہم تجھے اس قیدی میں اپنا ساجھی کر لینگے۔ اُس نے کہا تو سنو۔ ہم سات بھائی تھے اور ہمارا ایک چچا تھا جو بڑا مالدار تھا اُسکے ایک

لڑکی نہایت خوبصورت تھی۔ میرے چچا نے ایک بچھڑا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک دن وہ بچھڑا چھوٹ گیا۔ اُس نے ہم ساتوں بھائیوں سے کہا کہ تم میں سے جو اس بچھڑے کو لوٹا لائیگا اُسی سے میں اپنی بیٹی بیاہ دونگا۔ یہ سنکر میں نے اپنی یہ لاٹھی اپنے ہاتھ میں لی اور لنگوٹ کس کر اُس کے پیچھے ہوا۔ پھر اسکے پیچھے دوڑتے دوڑتے مجھے سانس چڑھ گیا۔ جسوقت میں اس بیل کے پیچھے ہوا تھا اسوقت میں نو عمر لڑکا تھا اور اب بوڑھا ہوگیا۔ سو نہ میں اس بیل تک پہنچا ہوں کہ اُسے پکڑکر روک لوں۔ اور نہ یہ تھکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے +

اُس سے یہ سنکر اُنہوں نے کہا کہ بے شک یہ حدیث عجیب ہے بیٹھ جا تو ہمارا ساجھی ہے +

ابھی وہ مشورہ ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں اُن کے پاس ایک اَور شخص آیا جو گھوڑی پر سوار تھا۔ اُسکے پیچھے اُس کا غلام تھا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے بھی پہلے دونوں شخصوں کی طرح اُنہیں سلام کیا اُنہوں نے اسکے سلام کا جواب دیا۔ علیک سلیک کے بعد اُس نے اُن کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے اپنا سارا قصہ اُس سے بیان کیا۔ جب وہ اُن کا قصہ سُن چکا تو اُس نے اُن سے کہا کہ اگر میں تمہیں اس سے بھی زیادہ نادر اور عجیب حدیث سناؤں۔ تو تم اپنے ساتھ مجھے بھی اس تجویز میں شریک کر لوگے؟ اُنہوں نے کہا ہاں۔ اگر تیری حدیث عجیب ہوئی تو ہم تجھے اس تجویز میں بڑی خوشی سے اپنے ساتھ شریک کر لینگے۔ اُس نے کہا تو سنو میری ایک خبیث اور بدکار بیوی تھی۔ یہ کہکر اُس نے اپنی اُس گھوڑی سے جس پر وہ سوار تھا کہا کہ اسیطرح ہے نا؟ گھوڑی نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ پھر اُس گھوڑے کیطرف جس پر اُس کا غلام سوار تھا اشارہ کر کے کہا کہ میں اُس بدکار کو اپنے اس غلام کیساتھ متہم کرتا تھا۔ اور گھوڑے سے پوچھا کہ میں سچ کہتا ہوں نا؟ گھوڑے نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ پھر اُس نے کہا کہ میں نے اپنے اس غلام کو ایک دن اپنے کسی کام کو بھیجا۔ اُس بدکار نے اسکو اپنے پاس روک لیا۔ اس درمیان میں مجھے نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا وہ بدبخت عورت بڑے زور سے چلائی۔ اور ایک چوہا برآمد ہوا۔ اُس نے اُس چوہے سے کہا کہ سجدہ کر۔ چوہے نے اُسے سجدہ کیا۔ پھر کہا قریب ہو۔ وہ اُسکے قریب ہوگیا۔ پھر کہا کہ غائب ہو جا۔ چنانچہ وہ غائب ہوگیا۔ پھر اُس نے چکی منگا کر ایک پیالہ ستو پیسے اور اُنہیں گھولکر اُس غلام کے پاس لائی اور اس سے کہا کہ یہ ستو اپنے آقا کے پاس لیجا۔ چنانچہ وہ ستو لے کر میرے پاس آیا۔ میں نے اُنکے پینے میں اُن دونوں سے حیلے حوالے کیے اور حکمت عملی سے وہ پیالہ اُنہیں دونوں کو پلادیا

پیالہ پیتے ہی وہ عورت گھوڑی بن گئی اور وہ غلام گھوڑا - چنانچہ وہ دونوں یہ موجود ہیں - گھوڑی پر میں سوار ہوں اور گھوڑے پر میرا غلام - یہ بیان کرکے اُس نے گھوڑی اور گھوڑے سے کہا کہ جس طرح میں کہتا ہوں اُسی طرح ہے نا؟ گھوڑی اور گھوڑے دونوں نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں +

جب وہ اُس کی یہ حدیث سُن چکے تو اُنہوں نے کہا کہ جتنی باتیں آجتک ہم نے سنی ہیں - یہ بیشک اُن سب سے زیادہ عجیب ہے - پھر اُس سے کہا کہ تو اس قیدی میں ہمارا شریک ہے +

اِس کے بعد اُن سب کی رائے خُرافہ کے آزاد کرنے پر متفق ہوگئی - اور اُنھوں نے خُرافہ کو آزاد کر دیا - خُرافہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ سے اُس نے یہ حدیث بیان کی [۱] +

کسی معتبر کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے خُراف کی اس حدیث کی نسبت کیا رائے قایم کی - لیکن چونکہ خُراف کی یہ حدیث قیاس سے باہر تھی اس لئے تمام عربوں نے اُس کی اِس حدیث کی تکذیب کی اور اسے جھٹلایا - اور ہر ایک جھوٹی اور ناممکن و محال بات کو خُرافہ کی طرف منسوب کرنے لگے +

غالباً اس توضیح و تشریح کے بعد ہمارے ناظرین کو شاعر کے کلام کا مطلب بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا +

حدیثِ خُرافہ کے صدق و کذب نفس الامری سے تو علام الغیوب ہی خوب واقف ہے - لیکن عرب کے اِس خیال کو صحیح مان کر کہ حدیثِ خُرافہ واقع میں جھوٹی اور بے اصل ہے - اس میں ہم کو ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ اِس فلسفی دماغ شاعر کا اعتقادِ حشر اور بعث بعد الموت کو حدیثِ خُرافہ قرار دینا ضرور حدیث خرافہ ہے - اور سچی بات یہ ہے ؎

حیوۃٌ ثم موتٌ ثم نشرٌ کلامٌ صادقٌ یا امَّ منظورٍ	جینا - پھر مرنا - پھر اس کے بعد حشر - اے اُمِّ منظور! یہ نہایت سچا کلام ہے +

[۱] دیکھو شریشی شرح مقامات حریری جلد اول ص ۶۳ مطبوعہ مصر +

شدّاد بن اسود بن عبد شمس بن مالک اُن کفار قریش کے مرثیہ میں کہتا ہے جو بدر میں قتل کیے گئے تھے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے کنوئیں میں ڈلوا دیا تھا ۵

وماذا بالقلیب قلیب بدر
من الشیزی تزین بالسنام
وماذا بالقلیب قلیب بدر
من القینات والشرب الکرام
تحیّینا السلامۃ ام بکر
فهل لی بعد قومی من سلام
یحدثنا الرسول بان سنحیا
وکیف حیوۃ اصداء وهام

بدر کے کنوئیں میں کیسے سخی اور داتا لوگ پڑے ہوئے ہیں جو اونٹ کے کوہانوں سے کٹھرے سجا کر مہمانوں کی نذر کرتے تھے۔ بدر کے کنوئیں میں کیسے ارباب نشاط پڑے ہوئے ہیں۔ جن کے پاس ہر وقت ڈومنیاں گاتی رہتی تھیں۔ اور سخی مے نوشوں کے ندیم تھے۔ ام بکر ہم کو سلامتی کی دعا دیتی ہے۔ کیا مجھے میری قوم کے بعد سلامتی حاصل ہو سکتی ہے رسول ہم سے کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہم زندہ کیے جائیں گے۔ بھلا جب آدمی اُلّو بن گیا تو پھر زندہ ہونا کیسا +

یہ شاعر حشر کا انکار کرتا ہے اور اُلّو کا ذکر اسلئے کیا کہ انکے اعتقاد میں جب آدمی گل سڑ جاتا ہے تو اس کی کھوپری میں سے ایک اُلّو نکلتا ہے۔ اس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اُلّو ہو گیا تو دوبارہ انسان کیسے بن سکے گا؟

بعض لوگ ایسے بھی تھے جو حشر کے قائل تھے۔ لیکن اُس میں انہوں نے بہت سی غلط رائیں شامل کر لی تھیں۔ بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ پیغمبر بشر نہیں ہو سکتا۔ ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ قال تعالےٰ لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا یعنی اس پیغمبر کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا

کہ وہ اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا *

جنّات اور ملائکہ کی نسبت مشرکین عرب خصوصاً اہل مکہ کا یہ اعتقاد تھا۔ کہ خداتعالےٰ نے جنات کے سرداروں کی بیٹیوں سے شادی کی ہے۔ جن کے بطن سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے اسی بیہودہ اعتقاد کی تردید میں سورہ والصّٰفّٰت کی یہ آیتیں نازل ہوئیں ہیں۔ کہ

فاستفتھم الربک البنات ولھم البنون ہ ام خلقنا الملائکۃ اناثا وھم شاھدون ہ الا انھم من افکھم لیقولون ہ ولد اللہ وانھم لکاذبون ہ اصطفی البنات علے البنین ہ مالکم کیف تحکمون ہ افلاتذکرون ہ ام لکم سلطٰن مبین ہ فأتوا بکتابکم ان کنتم صادقین ہ وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا ہ ولقد علمت الجنۃ انھم لمحضرون ہ سبحان اللہ عما یصفون ہ

اے پیغمبر ان سے پوچھ کہ کیا تیرے پروردگار کے لیئے لڑکیاں ہیں اور ان کے لیئے لڑکے یا ہم نے ان کے سامنے فرشتوں کو مونث پیدا کیا ہے سن لے کہ یہ بہتان سے کہتے ہیں۔ کہ خدا صاحب اولاد ہے اور جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا خدا نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی۔ تمہیں کیا ہو گیا کیسا انصاف کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ یا تمہارے پاس کوئی کھلی دلیل ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لاؤ اور اس میں دکھلاؤ۔ اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ انہوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتہ ٹھیرایا حالانکہ جن خوب جانتے ہیں کہ وہ اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ یہ مشرک جو خدا کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ خدا اُن اوصاف سے پاک ہے *

حاملین عرش کی نسبت مشرکین عرب کا یہ عتقاد تھا۔ کہ چار فرشتے خدا کا عرش تھامے ہوئے ہیں جن میں ایک فرشتہ آدمی کی صورت پر ہے۔ جو اللہ کے

ہاں بنی آدم کا شفیع ہے۔ دوسرا فرشتہ بیل کی صورت پر ہے۔ وہ بہائم کا شفیع ہے تیسرا فرشتہ کرگس کی صورت پر ہے جو پرندوں کا شفیع ہے۔ چوتھا شیر کی صورت پر ہے۔ وہ درندوں کا شفیع ہے۔ مشرکین عرب ان چاروں فرشتوں کو وعول یعنی بزکوہی کہتے تھے۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے۔ کہ ؎

رجل وثور تحت رجل یمینہ
والنسر للاخری ولیث مرصد
والشمس تطلع کل آخر لیلۃ
حمراء یصبح لونہا یتورد
تابی فما تطلع لنا فی رسلہا
الا معذبۃ والا تجلد

عرش کے ایک پایہ پر آدمی ہے۔ اور دوسرے پر بیل تیسرے پر کرگس ہے اور چوتھے پر شیر صبح کو ہر رات کے خاتمہ پر سورج سرخ گلابی رنگ نکلتا ہے۔ وہ نکلنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی خوشی سے نہیں نکلتا۔ مگر جب اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ اور کوڑے لگائے جاتے ہیں تب نکلتا ہے۔

جاہلیت کے لوگ تقدیر کے ویسے ہی قائل تھے۔ جیسے قائل مسلمان ہیں۔ افلاس۔ تونگری۔ صحت۔ بیماری۔ اور ہر امر کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو کچھ ازل میں مقدر ہو چکا ہے وہی ہوا۔ وہی ہو رہا ہے۔ اور وہی آئندہ ہوگا۔ حسن بصری رحؒ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے لوگ اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ تقدیر کا ذکر کرتے رہتے تھے شرع شریف نے اس کی اور تاکید کر دی[۱]۔

جاہلیت کے مشہور بُت

یوں تو جاہلیت میں بے شمار بت تھے۔ جن کی تعداد ناممکن ہے۔ خود خانہ کعبہ میں جو خدا کا گھر ہے تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ لیکن ہم فقط اُن مشہور بتوں کا

[۱] حجۃ اللہ البالغہ۔

ذکر کرتے ہیں۔ جن کی سب سے زیادہ عزت وتعظیم کی جاتی تھی +

(۱ و ۲) اِساف و نائلہ۔ یہ دونوں بت خانہ کعبہ کے پاس صفا ومروہ پر نصب تھے۔ اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر۔ خُزاعہ اور قریش اور تمام عرب جو حج کے لئے آتے تھے ان کو پوجتے تھے۔ قریش ان دونوں بتوں کے نام پر قربانی بھی کرتے تھے +

(۳) وَد۔ یہ بت دومتہ الجندل میں نصب تھا۔ بنی کلب اس کو پوجتے تھے۔ ایک دراز قد آدمی کی صورت پر بنا ہوا تھا۔ تہمد باندھے ہوئے تھا اور چادر اوڑھے ہوئے۔ گلے میں تلوار پڑی تھی۔ ہاتھ میں کمان کھینچے ہوئے تھا۔ آگے ایک تیروں سے بھرا ہوا ترکش اور لڑائی کا جھنڈا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اس بت کے گرانے کے لئے مامور کیا۔ بنی عذرہ اور بنی عامر نے خالد سے اس کے ڈھانے میں مزاحمت کی۔ خالد نے اُن سے جنگ کرکے ان کو قتل کردیا اور اس بت کو گرا کر ریزہ ریزہ کردیا[له] +

(۴) سُواع۔ یہ بت ینبع میں نصب تھا اور اس بت کے مجاور بنی لحیان تھے مضر اور ہذیل اور جو لوگ اس کے آس پاس رہتے تھے۔ اس کو پوجتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

تَرَاهُمْ حَوْلَ قَيْلَتِهِمْ عُكُوفًا كَمَا عَكَفَتْ هُذَيْلٌ عَلَى سُوَاعِ	تو ان کو اُن کے قبلہ کے گرد کھڑا دیکھے گا۔ جس طرح ہُذیل سواع کے آگے کھڑے ہو کر ڈنڈوت کرتے ہیں +

(۵) یغوث۔ یہ بت سرزمین یمن کے ایک ٹیلہ پر نصب تھا۔ مذحج اور اہل جرش اس کو پوجتے تھے۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ میں نے یغوث کو دیکھا۔ رانگ کا بنا ہوا تھا۔ لوگ اُسے اونٹ پر لادے پھرتے تھے جہاں اونٹ بیٹھ جاتا تھا وہیں اس کو پوجنے

له بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ +

لگتے تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا پروردگار اس منزل سے خوش ہے[1]

(۶) یعوق۔ یہ بت قریہ خیوان میں نصب تھا جو صنعاء سے دو دن کے فاصلہ پر تھا۔ ہمدان اور وہ اہل یمن جو اس کے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے۔

(۷) نسر۔ یہ بت بلخع میں نصب تھا حمیر اور جو اسکے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے۔ صنعاء میں حمیر کا ایک مندر بھی تھا جس کا نام رئام تھا۔ حمیر اُس مندر کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اُس میں قربانیاں کرتے تھے۔

(۸) مناۃ۔ یہ بت مکے اور مدینے کے درمیاں مقام قُدید میں سمندر کے کنارہ پر نصب تھا۔ ہذیل اور خزاعہ اور تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے پاس قربانیاں کرتے تھے۔ خصوصاً اوس وخزرج اس کی سب سے زیادہ تعظیم کرتے تھے یہ وہی بت ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی۔ سن آٹھ ہجری میں جب سال مکہ فتح ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس کے ڈھانے کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اس کو ڈھا دیا۔

(۹) لات۔ یہ ایک مربع پتھر تھا جو طائف میں اُس جگہ نصب تھا جہاں اب طائف کی مسجد کا بایاں منارہ ہے۔ اس کے مجاور بنی ثقیف تھے۔ جنہوں نے اس کے اوپر ایک مکان بنا دیا تھا۔ قریش اور تمام عرب اس کو پوجتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے نام پر زید اللات اور تیم اللات نام رکھتے تھے۔ جب بنی ثقیف مسلمان ہو گئے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مغیرہؓ بن شعبہؓ کو اس کے ڈھانے کے لئے بھیجا۔ اُنہوں نے اس کو ڈھا کر اُس میں آگ لگا دی۔

(۱۰) عزّٰی۔ یہ بت ذات عرق سے نو میل کے فاصلہ پر نخلہ شامیہ کے وادی میں ظالم بن اسعد نے نصب کیا تھا۔ اور اس کے اوپر بھی ایک مکان بنایا تھا۔ قریش کا یہ

---

[1] تفسیر درِّ منثور۔

سب سے بڑا بت تھا۔ جب کعبہ کا طواف کرتے تو لات اور عزیٰ اور مناۃ کی قسم کھاتے۔ اور کہتے کہ یہ تینوں بڑے مرتبہ کی مرغابیاں ہیں۔ قیامت کے دن ہمیں ان کی شفاعت کی امید ہے۔ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ جو اُس سے ہماری شفاعت کریں گی۔ خدا نے ان کے اس قول کی تکذیب کی اور فرمایا۔ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ یعنی بتلاؤ تو تم جو لات اور عزیٰ اور منات کو جو تیسرا ہے خدا کی بیٹیاں بتلاتے ہو تو کیا تمہارے لئے بیٹے اور خدا کیلئے بیٹیاں؟ یہ تو نہایت ہی ناانصافی کی تقسیم ہے*

قریش نے اس بت کے نام وادی حراض کی ایک زمین وقف کر دی تھی جس کو اُنہوں نے حرم کعبہ کی طرح اس بت کا حرم قرار دیا تھا۔ اور اس بت کے لئے ایک قربان گاہ بنائی تھی جس میں اس کے نام پر قربانیاں کرتے تھے۔ اس قربان گاہ کا نام غبغب تھا۔ قریش اس بت کی سارے بتوں سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اور اس کے مجاور بنی شیبان تھے۔ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو اس کے انہدام اور ان تین درختوں کے کاٹنے کے لئے بھیجا جو وہاں کھڑے تھے۔ خالدؓ بن ولیدؓ نے ان درختوں کو کاٹ ڈالا اور عزیٰ کا نام و نشان مٹا دیا۔ ابو المنذر کا بیان ہے کہ قریش اور مکے کے باشندے ایسی تعظیم کسی بت کی نہیں کرتے تھے۔ جیسی عزیٰ کی کرتے تھے۔ عزیٰ ان کا خاص بت تھا جس کی وہ لوگ کثرت سے زیارت کرتے تھے اور اس پر نذریں چڑھاتے تھے۔ عزیٰ کے بعد ان کے نزدیک لات کا رتبہ تھا اور اس کے بعد منات کا۔ جس طرح قریش کا خاص بت عزیٰ تھا۔ اسی طرح ثقیف کا خاص بت لات اور اوس و خزرج کا منات تھا۔ لیکن یہ سب عزیٰ کی بھی تعظیم کرتے تھے اور اس کی تعظیم پر سب کا اتفاق تھا[1]*

---

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲*

قریش کے اور بھی چند بت تھے جو خانہ کعبہ کے اندر اور اُس کے گرد نصب تھے جن میں سب سے بڑا ہبل تھا +

(۱۱) ہبل - یہ بت بھی قریش کا تھا - اس کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا اسی لئے اسے ہبل خزیمہ کہتے تھے - یہ بت انسان کی صورت پر عقیق سرخ کا بنا ہوا تھا لیکن اس کا دہنا ہاتھ سونے کا تھا - جس کا سبب یہ تھا کہ جس وقت یہ بت قریش کے ہاتھ لگا تھا اُس وقت اس کا دہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا - اس لئے انہوں نے اس کا ہاتھ سونے کا بنا دیا تھا - اسی بت کے آگے وہ سات پانسے رکھے رہتے تھے جن کو ازلام کہتے تھے - ان پانسوں کا ذکر ہم نے ان کے مناسب موقع پر کیا ہے - فتح مکے کے دن خانہ کعبہ کے تمام بتوں کو آگ لگا دی گئی تھی - اس لئے سب بتوں کے ساتھ یہ بت بھی جل کر خاکستر ہو گیا +

(۱۲) مناف - اسی بت کے نام پر عبد مناف نام رکھا گیا - اس بت کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ بت کہاں نصب کیا گیا تھا اور اسے کس نے نصب کیا تھا +

(۱۳) ذوالخلصہ - یہ بت سفید پتھر کا بنا ہوا تھا - جس پر تاج کی شکل کندہ تھی - مکے سے سات دن کے رستے پر مکّے اور مدینے کے درمیان یہ بت نصب تھا اور اس کے اوپر ایک مکان بنا ہوا تھا - خثعم اور دوس اور بجیلہ اور جو اس کے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے اور اس پر نذریں چڑھاتے تھے - جریرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس مکان کو ڈھا دیا اور اس بت میں آگ لگا دی - جس سے وہ بت جل کر خاکستر ہو گیا +

(۱۴) سعد - یہ بت ساحل جدہ پر نصب تھا - کنانہ کے بیٹوں مالک اور ملکان نے اسے نصب کیا تھا یہ ایک لمبا پتھر تھا - اس کے آس پاس کے لوگ اسے پوجتے تھے - اور اس کے نام پر قربانی کرتے تھے +

(۱۵) مناۃ ثانی - یہ بت لکڑی کا تھا عمرو بن الجموح نے جو قبیلہ بنی سلمہ میں ایک سردار تھے - اسے اپنے گھر میں نصب کیا تھا - معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرہ وغیرہ صحابہؓ اس کو ہر شب غلاظت میں ڈال دیتے تھے - عمرو بن الجموح اُسے صبح کو تلاش کر کے ہر روز دھوتے اور خوشبو سے معطر کرتے تھے - آخر اُنہیں خدا نے ہدایت دی - اور مسلمان ہو گئے - اور اس بت کا قصہ تمام ہو گیا *

(۱۶) ذو الکفین - یہ بت بھی قبیلہ دوس کا تھا - دوس کے مسلمان ہونے کے بعد طفیل بن عمرو دوسیؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم کے ارشاد کے مطابق اس کو جلا دیا *

(۱۷) ذو الشری - یہ بت بنی حارث بن لیشکر کا تھا جو قبیلہ ازد میں سے تھے *

(۱۸) اقیصر - یہ بت مشارف شام میں تھا - قزاعہ لخم - جذام - عاملہ اور غطفان اسے پوجتے تھے *

(۱۹) نُہم - یہ بت قبیلہ مزینہ کا تھا - خزاعی بن عبد نہم اس کا مجاور تھا - جس کو خدا نے ہدایت دی اور اس بت کو توڑ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خدموں میں داخل ہو گیا *

(۲۰) عائم - یہ بت ازد السراۃ کا تھا *

(۲۱) سعیر - یہ بت عنزہ کا تھا - وہ اس کے نام پر قربانی کرتے تھے - اور اس کے گرد طواف کرتے تھے *

(۲۲) عوض - یہ بت بکر بن وائل کا تھا - ایک شاعر کہتا ہے ؎

حَلَفْتُ بِمَائِرَاتٍ حَوْلَ عَوْضٍ وَاَنْصَابٍ تُرِكْنَ لَدَى السَّعِيْرِ	میں اُن خونوں کی جو عوض کے گرد بہائے جاتے ہیں - اور اُن پتھروں کی جو سعیر کے پاس ہیں قسم کھاتا ہوں *

(۲۳) عُمیانس - یہ بت خولان کا تھا۔ وہ اپنے مویشی اور کھیتی میں ایک حصہ خدا کے نام کا مقرر کرتے تھے اور ایک حصہ اس بت کے نام کا ۔عُمیانس کے حصہ میں سے اگر کوئی چیز خدا کے حصہ میں مل جاتی تو اس کو نکال لیتے - اور اگر خدا کے حصہ میں سے کوئی چیز عُمیانس کے حصہ میں شامل ہو جاتی تو اس کو نہ نکالتے - اسی کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے -

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝	یعنی اُنھوں نے خدا کے لیے اُس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ مقرر کر دیا اور اپنے زعم میں خوش ہو گئے اور کہا کہ یہ اللہ کا ہے -

اور یہ ہمارے شریکوں کا۔ سو جو اُن کے شرکاء کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ اُن کے شرکاء کو پہنچ جاتا ہے - یہ لوگ بہت بُرا فیصلہ کرتے ہیں +

(۲۴) یعبوب - یہ بت جدیلہ طی کا تھا +

(۲۵) باجر یہ بت ازد اور بعض بنی طے اور قضاعہ کا تھا +

(۲۶) دوار - اس بت کی نسبت ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ بت کہاں نصب تھا اور کس قبیلہ کا تھا - لیکن جاہلیت میں منجملہ اور بتوں کے یہ بھی ایک بت تھا - عرب جاہلیت اس کی غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے - اور مرد و عورت سب اس کا طواف کرتے تھے - اس بت کا ذکر امرء القیس نے اپنے معلقہ میں کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ ؎

فعنّ لنا سربٌ کانّ نعاجہ عذاری دوار فی ملاءٍ مذیل	ہمیں جنگلی گایوں کا ایک گلہ نظر پڑا - جسکی گائیں حسن و لطافت اور خوبی رفتار میں ایسی معلوم

ہوتی تھیں کہ گویا وہ کنواری لڑکیاں ہیں - جو لمبی چوڑی چادروں میں دوار کے

گرد طواف کر رہی ہیں *

سر سید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں لکھا ہے کہ یہ بت نوجوان عورتوں کی پرستش کرنے کا تھا۔ وہ چند دفعہ اس کے گرد طواف کرتی تھیں۔ اور پھر اُس کو پوجتی تھیں۔ وہی اس کا طواف کرتی تھیں لیکن اس کا کچھ ثبوت نہیں دیا۔ شاید یہ خیال ان کو امرء القیس کے اسی شعر سے پیداء ہوا ہو۔ مگر اس شعر سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ یہ بت صرف عورتوں ہی سے مخصوص تھا۔ عرب کی عورتیں اور مرد ہر ایک بت کو پوجتے تھے امرء القیس چونکہ گایوں کو عورتوں ہی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا تھا اس لئے اس نے عورتوں کا ذکر کیا۔ پس اس سے اس بت کے ساتھ عورتوں کی خصوصیت نہیں نکلتی۔ لسان العرب وغیرہ کتب لغت کے دیکھنے سے ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ بت میلوں اور نمایشوں میں نکالا جاتا تھا۔

اُن بتوں کے علاوہ مکّے کے ہر گھر میں ایک بت تھا جسکو وہ اپنے گھروں میں پوجتے تھے۔ جب کوئی سفر کو جاتا تو سب سے اخیر کام جو وہ اپنے گھر میں کرتا یہ تھا کہ بت کو ہاتھ لگاتا۔ اور جب سفر سے واپس آتا اور گھر میں داخل ہوتا تو سب سے اول بت کو ہاتھ لگاتا *

حائضہ عورتیں نہ بتوں کے قریب جاتی تھیں اور نہ اُن کو ہاتھ لگاتی تھیں۔ علیحدہ ایک جانب کو اُن کے سامنے کھڑی ہو جاتی تھیں *

بتوں کی پوجا میں چند امور کئے جاتے تھے اُن کو سجدہ کرتے تھے اور خانہ کعبہ کی طرح اُن کے گرد طواف کرتے تھے اُن کو ہاتھ لگاتے تھے اور نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ بوسہ دیتے تھے۔ ان کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ اور اُن کو دودھ اور مکھن اور ہر قسم کی نذریں چڑھاتے تھے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں۔ کہ مجھ سے میرے آقا نے بیان کیا کہ مجھے میرے گھر والوں نے دودھ اور مکھن کا ایک پیالہ دیا

اور کہا کہ اسے ہمارے معبودوں پر چڑھا آ۔ میں نے وہ دودھ اور مکھن ان پر چڑھا دیا۔ اور اُن کے ڈر کے مارے خود اُسے نہ کھا سکا۔ میں وہیں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک کتا آیا۔ اُس نے وہ تمام مکھن کھالیا اور دودھ پی لیا۔ پھر بتوں پر پیشاب کر دیا۔ یہ بت اساف اور نائلہ تھے[1]۔

کلبی کہتا ہے کہ مجھ سے مالک بن حارثہ نے بیان کیا کہ میں نے وَدّ کا ایک وہ زمانہ دیکھا کہ مجھے میرا باپ ہمیشہ اس پر دودھ چڑھانے بھیجتا تھا اور کہتا تھا کہ پہلے اپنے خدا کو پلا آ پھر تو خود پینا۔ اس کے بعد میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا کہ خالدؓ بن ولید نے اسے توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا[2]۔

مویشیوں کا پہلا بچہ بطور نذر کے بتوں پر چڑھاتے تھے۔ کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشیوں کے انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا بتوں کے واسطے اٹھا رکھتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضایع ہو جاتا تو خدا کے حصے میں سے اُسکو پورا کر دیتے تھے۔ اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضایع ہو جاتا۔ تو بتوں کے حصہ میں سے اس کو پورا نہیں کرتے تھے۔

مقررہ بتوں کے علاوہ سفید اور خوبصورت پتھروں اور ریت کے ٹیلوں کو بھی پوجتے تھے۔ لیکن اکثر ایسا سفر میں کرتے تھے۔ جہاں بت نہیں ہوتے تھے۔ ہارونؒ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر کو جاتا تو چار پتھر اپنے ساتھ لیجاتا۔ جہاں مقیم ہوتا تین کا چولھا بنا کر اس پر اپنی ہانڈی پکاتا۔ اور چوتھے کو پوجتا ابو رجاء کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب ہمیں کوئی خوبصورت پتھر ملتا تو اُسے پوجنے لگتے اور اگر پتھر نہ ملتا تو ریت کا ایک ٹیلہ بناتے اور ایک دودھیل اونٹنی اس کے اوپر کھڑی کرتے۔ پھر اس کی ٹانگیں چیر کر اس ٹیلہ پر دُہتے۔ حتیٰ کہ ہم اس ٹیلہ کو دُودھ

---

[1] سنن دارمی۔ [2] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲۔

سے خوب تر کر دیتے - پھر جب تک ہم اُس جگہ اقامت کرتے اس ٹیلہ کو پوجتے رہتے[1]۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جاہلیت میں علاوہ اصنام یعنی مورتوں اور تصویروں کے سادہ پتھروں کو بھی پوجتے تھے - جن پر کوئی تصویر اور نقش نہیں ہوتا تھا - ان کو انصاب کہتے تھے - غیر مصور اور منقش پتھروں کی عظمت ان کے دل میں ایسی ہی تھی جیسی تصویر دار بتوں کی - طبری[2] لکھتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ انصاب یعنی حجر غیر مصور و منقش پر قربانیاں کرتے تھے۔

اب ہم جاہلیت کی ان رسوم کا ذکر کرتے ہیں جو عام طور پر اُس زمانہ میں رائج تھیں - لیکن ہم رسوم کو عام معنی میں لیتے ہیں جن میں اُن کے تخیلات - وہمیات خرافات اور ہر قسم کی باتیں شامل ہیں۔

جاہلیت کی عیدیں

جاہیت کی عیدیں دو قسم کی تھیں - زمانی اور مکانی - مکانی بہت سی عیدیں تھیں - جہاں جہاں اُن کے بت نصب تھے - وہاں اُن کے میلے لگتے تھے اور کثرت سے خلقت کا ہجوم ہوتا تھا - سب سے بڑے بت جن کی زیارت اور پوجا کے لئے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے - اور اُن کے پاس میلے لگتے تھے اور عیدیں منائی جاتی تھیں تین تھے - لات - عزّیٰ - منات - لات اہل طائف کا تیرتھ تھا - یہ اصل میں ایک صالح اور نیک آدمی تھا جو موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا - اس کے مرنے کے بعد مدت تک لوگ اس کی قبر کی مجاورت اور پوجا کرتے رہے پھر اس کی تصویر بنا کر اُس پر ایک قبہ بنایا اور اس کا نام بیت الرّب رکھا - عزّیٰ اہل مکہ کا تیرتھ تھا - یہ بت عرفات کے قریب تھا وہیں ایک درخت

[1] سنن دارمی ص۵ [2] تفسیر ابن جریر ص۴۲ جلد ۶۔

بھی تھا جس کے پاس اس کے نام پر قربانی کرتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اُس کے توڑنے کے لئے بھیجا۔ اُنھوں نے اُس کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا۔ اور اُس میں سے جو کچھ مال برآمد ہوا تھا اُس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اُس روز سے عزّیٰ کی پرستش موقوف ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اس بت میں سے ایک چڑیل نکلی تھی۔ جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ منات اہل مدینہ کا بت تھا۔ جس کے لئے وہ احرام باندھتے تھے اور اُس کو خدا کا شریک کرتے تھے۔ یہ بت جبل قُدید کے متصل تھا جو مکّے اور مدینے کے درمیان سمندر کے کنارہ پر واقع ہے۔ ان تینوں بتوں کے اجتماع کے لئے سال کے خاص خاص موسم مقرر تھے۔ عرب ان کی پوجا اور زیارت کے لئے دور دور سے آتے تھے اور کعبہ کی طرح اُن کی تعظیم اور اُن کا طواف کرتے تھے۔ ان کے لئے قربانی کے جانور اپنے ساتھ لاتے تھے۔ اور اُن کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اُن کے لئے مجاور اور خدام بھی مقرر تھے۔ لیکن معہذا اُن کو اس بات کا اعتراف تھا کہ کعبہ ان سے افضل ہے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے۔ کہ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مسجد اور اُن کا گھر ہے۔

یمن میں قبیلہ بجیلہ اور خثعم کا ایک مندر ذوالخلصہ تھا جس میں چند بت نصب تھے۔ جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ اس مندر کے پاس بھی سال میں انکا ایک میلہ لگتا تھا۔ اور وہ بھی انکی ایک عید تھی۔ اُس روز اس بت کو ہار پہناتے تھے اور اُس پر شتر مرغ کے انڈے چڑھاتے تھے اور اُس کے پاس قربانی کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جاہلیت میں ایک مندر تھا۔ جس کا نام ذوالخلصہ اور کعبہ یمانیہ اور کعبہ شامیہ تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تجھ سے اتنا نہیں ہوتا کہ مجھے ذوالخلصہ سے راحت دے۔ جریر رضی اللہ عنہ ڈیڑھ سو سوار اپنے ساتھ لے کر وہاں پہنچے اور اُس کو توڑ

پھوڑ کر اُس میں آگ لگا دی ۔ اور جو آدمی وہاں موجود تھے اُن کو قتل کر دیا ۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اُنہوں نے اس کی خبر دی ۔ تو آپ نے اُن کے حق میں دعاءِ خیر فرمائی ۔ یہ ذوالخلصہ اُس ذوالخلصہ کے سوا تھا جس کو عمرو بن لحی نے اسفل مکے میں قایم کیا تھا ؛

اہل نجران ایک لمبے درخت کو پوجتے تھے ۔ جسکے پاس ہر سال ایک میلہ لگتا تھا ۔ اور عید منائی جاتی تھی ۔ جب وہ عید آتی تھی تو اُس درخت پر عمدہ عمدہ کپڑے اور عورتوں کے زیور لٹکاتے تھے پھر وہاں جمع ہو کر اُس کو پوجتے تھے ۔ اس درخت کی پوجا موقوف ہونے کا سبب یہ ہوا کہ اس درخت کو ایک عیسائی نے خرید لیا تھا جس کا نام فیمون تھا ۔ یہ شخص نجران کے شرفاء میں سے تھا ۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا بڑا عابد و زاہد اور صاحب کشف و کرامات تھا ۔ رات کو اُٹھ کر اپنے گھر میں جس میں اس کو اس کے آقا نے رکھا تھا تہجد پڑھا کرتا تھا ۔ جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑا ہوتا تو اس کا گھر انوار الٰہی سے چمک جاتا اور صبح تک نور سے معمور رہتا ۔ اتفاقاً کسی روز اس کے گھر کی روشنی اور چمک دمک اس کے آقا نے بھی دیکھ لی ۔ اور جو کرشمہ اُس نے دیکھا اُس سے اُس کو سخت تعجب ہوا ۔ اس لیئے اُس کے آقا نے یہ خیال کر کے کہ شاید یہ اس کے دین کی برکت ہے اُس سے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے ۔ فیمون نے کہا میں عیسائی ہوں ۔ اور تمہارا دین باطل ہے ۔ یہ درخت جسے تم پوجتے ہو ۔ نہ کسی کو کچھ نقصان پہنچا سکے اور نہ نفع ۔ اور اگر میں اپنے مالک سے جسے میں پوجتا ہوں ۔ اس درخت پر بد دعا کروں تو وہ اسے ابھی تحس نحس کر دے ۔ اور میرا مالک وہ اللہ ہے جو اپنی ذات و صفات میں ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔ فیموں کی یہ تقریر سنکر اُس کے آقا نے اس سے کہا کہ اچھا تم اپنے خدا سے دعا کرو اگر تم نے ایسا کر دکھلایا تو ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے اور اپنے دین کو

چھوڑ دیں گے۔ فیموں نے وضو کرکے دو رکعتیں پڑھیں پھر خدا تعالےٰ سے اُس درخت کے لئے بد دعا کی۔ خدا ے تعالےٰ نے ایک ایسی تیز ہوا چلائی جس نے اُس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اُس وقت سے اہل نجران نے عیسائی دین قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرنے لگے۔ پھر رفتہ رفتہ اُن میں وہ بدعتیں بھی آگئیں جو اِدھر اُدھر کے عیسائیوں میں رائج تھیں۔ یہ نجران میں عیسائیت کی ابتدا ہے*

زمانی عیدیں اہل مدینہ کی دو تھیں۔ ان دو دنوں میں اہل مدینہ لہو و لعب میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کرکے مدینے طیبہ تشریف لے گئے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے عید کے لئے تمہارے ان دو دنوں سے بہتر دو دن بدل دیئے۔ وہ دن عید الفطر اور عید الضحیٰ کے ہیں۔ جاہلیت میں قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ کی عید کا دن یوم السبع ف۱ تھا۔ جس میں وہ لوگ لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح ایک قبیلہ کی عید کا دن یوم السباسب تھا۔ اس عید میں جب لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ تو سلام کے ساتھ پھول نذر کرتے تھے نابغہ کہتا ہے کہ ع

یحیون بالریحان یوم السباسب ف۲

سباسب کی عید میں وہ لوگ سلام کے ساتھ پھول ایک دوسرے کی نذر کرتے ہیں*

ف۱ ہم کو کسی کتاب سے یوم السبع کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ کتب لغت میں فقط اس قدر لکھا ہے کہ یوم السبع عید کا دن تھا* ف۲ سباسب نصاریٰ کی عید تھی۔ اور یہ شاید وہی عید ہے جسکو بائبل میں عید فسح کہا گیا ہے لیکن بلوغ الارب فی احوال العرب کے مصنف نے اس کو مشرکین کی عید لکھا ہے۔ اسی لئے مصنف کی تقلید ہم نے کی ہے۔ ورنہ نصاریٰ کی عیدیں لکھنے کی ضرورت نہیں تھی*

جاہلیت کے لوگ اپنے میلوں اور تہواروں میں عمدہ سے عمدہ لباس پہنکر اور بیش قیمت اور بڑھیا چادریں اوڑھ کر نکلتے تھے۔ سواروں میں گھوڑدوڑ ہوتی تھی اور سخی لوگ جُوا کھیلتے تھے۔ لڑکے چند قسم کے کھیل کھیلتے۔ اور دف اور ستار اور دوتارے وغیرہ باجے بجاتے اور رجز گاتے اور اُنہی میں شعر پڑھتے۔

جاہلیّت کے جلسے

جاہلیت میں سال میں بہت سے جلسے ہوتے تھے۔ بعض جلسے فقط آپسمیں محبت بڑھانے اور تفریح طبع کے لئے ہوتے تھے۔ ان جلسوں میں لوگ اپنے اپنے گزشتہ جنگوں اور واقعات کا ذکر کرتے تھے۔ اور اشعار و قصائد پڑھتے تھے۔ اور لطائف ظرائف جن سے طبیعت بشاش ہو بیان کرتے تھے۔ اس قسم کے جلسے اکثر رات میں ہوتے تھے جب دل کو استقرار و اطمینان ہوتا تھا۔ جب مجلس میں سب لوگ جمع ہو جاتے تو حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے اور حلقہ کے بیچ میں قوم کا سردار اور بزرگ بیٹھتا۔ جب کوئی شخص کوئی نیا واقعہ یا کوئی عجیب بات بیان کرنی چاہتا تو کھڑا ہو کر کتاب کی طرح لوگوں کو پڑھ کر سناتا جس طرح خطیب اور لیکچرار کرتے ہیں۔ اور جب کوئی دوسرا شخص اُس سے گفتگو کرنا چاہتا تو اس کی اثنائے تقریر میں اس کی داڑھی پکڑ لیتا۔ یہ اہل عرب کی عادت قدیمہ تھی کہ مخاطب متکلم کی اثنائے گفتگو میں داڑھی پکڑ لیتا تھا۔ یہ ان کے ہاں شفقت اور محبت کی نشانی تھی۔ یہ جلسے گویا علمی معلومات بڑھانے کی غرض سے ہوتے تھے۔ بعض جلسے جنگ اور دوسرے لوگوں پر لوٹ ڈالنے کی تدابیر سوچنے اور اُس میں مشورہ کرنے کی غرض سے منعقد کئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب تک اہل حلّ و عقد کسی خاص جگہ جمع ہو کر جنگ کے بارہ میں مشورہ

نہ کر لیتے اُس وقت تک اُس کا نام نہ لیتے - جنگ کے مشورہ کے لیئے ایک قُبّہ میں جمع ہوتے تھے - جو خاص اسی غرض کے لیئے نصب کیا جاتا تھا جب سب لوگ جمع ہو جاتے تو ہر ایک اپنی راے ظاہر کرتا - جس امر پر سب کی راے قایم ہو جاتی اس کے مطابق عمل کرتے - اور اُس سے کوئی شخص رُو گردانی نہ کرتا +

بعض جلسے آپس کے جھگڑے مٹانے اور مقدمات طے کرنے کی غرض سے منعقد کیئے جاتے تھے - ان باتوں کے لیئے دارالندوہ میں جمع ہوتے تھے - وہاں جھگڑے اور قصے قضائے چکائے جاتے - تھے - اور آپس کے مقدمات فیصل کیئے جاتے تھے - بعض جلسے وعظ و نصیحت کی غرض سے منعقد کیئے جاتے تھے - چنانچہ کعب بن لُوی ہفتہ میں ایک دن ہمیشہ عظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور تمام قُریش اُن کا وعظ سنتے تھے - ان کی نصیحت نہایت عمدہ ہوتی تھی - صلہ رحمی اور اپنوں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا ذکر کرتے تھے - کہتے ہیں کہ جمعہ کا نام جمعہ سب سے پہلے کعب ہی نے رکھا ہے جس کی وجہ ان کے وعظ میں لوگوں کا اجتماع تھا - ورنہ اس سے پہلے ہفتہ کے دنوں کے نام یہ تھے - (اتوار) اول (پیر) اہون (منگل) جُبار (بدھ) دبار (جمعرات) مونس (جمعہ) عروبہ (ہفتہ) شیار - ایک شاعر نے ان ایام کو نظم کیا ہے کہ ؎

اومل ان اعیش وان یومی	میں زندگی کی امید کرتا ہوں حالانکہ میرا دن اول
باول او باھون او جبار	ہے یا اہون - یا جبار
اوالتالی دیادان افتہ	یا اس کے بعد دبار اگر اس سے بھی بچ رہا تو
فمونس فالعروبۃ او شعار	پھر مونس یا عروبہ یا شعار ہے - یعنی ہفتہ کے

انہیں دنوں میں سے کسی ایک دن مر جاؤنگا *

بعض جلسے آپس میں حلف اور عہد و پیمان قایم کرنے کے لئے ہوتے تھے۔ ان جلسوں میں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کا ظلم اس سے دور کرنے کے لئے آپس میں عہد و پیمان کرتے تھے *

جاہلیت کے دراہم

جاہلیت میں دو قسم کے درہم رائج تھے۔ بغلیہ اور طبریہ۔ بغلیہ شاہ راس البغل کی طرف منسوب ہیں۔ ان درہموں کا وزن آٹھ دانگ تھا۔ طبریہ کا وزن چار دانگ تھا۔ یہ طبریۂ شام کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے ایک قسم پر فارس کا نقش تھا۔ اور دوسری پر روم کا *

جاہلیت کا سلام

جاہلیت میں سلام کی جگہ لفظ اَنْعِمْ صَبَاحاً۔ اَنْعِمْ مَسَاءً۔ اور اَنْعِمْ ظَلَاماً بولا جاتا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ۔ صبح کو خوش رہو۔ شام کو خوش رہو۔ اندھیرے میں خوش رہو۔ انعم صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ اگر مخاطب دو یا دو سے زیادہ اشخاص ہوتے۔ یا عورتیں ہوتیں تو قاعدہ صرف کے مطابق لفظ اَنْعِمْ کو بدل لیتے۔ یعنی دو کے لئے اَنْعِمَا۔ اور زیادہ کے لئے اَنْعِمُوا۔ واحد مونث کے لئے اَنْعِمِی۔ اور جمع مونث کے لئے اَنْعِمْنَ کہتے۔ اور لفظ صَبَاحاً۔ مَسَاءً۔ اور ظَلَاماً بغیر تغیر ہر ایک کے ساتھ قائم رہتا۔ کبھی لفظ اَنْعِمْ اور اس کے مشتقات مذکورہ کو مختصر کر کے عِمْ۔ عِمَا۔ عِمُوا۔ عِمِی۔ عِمْنَ بولتے *

جذع بن سنان کہتا ہے ؎

اتوانا رہی فقلت منون انتم فقالوا الجن قلت عموا صباحا	وہ میری آگ کے پاس آئے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم

جن ہیں۔ میں نے کہا تو صبح کو خوش رہو۔ شُمیر بن حارث ضبّی کہتا ہے ؎

اتوانا رہی فقلت منون قالوا سراۃ الجن قلت عموا ظلاما	وہ میری آگ کے پاس آئے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم سردار

جن ہیں۔ میں نے کہا تو اندھیرے میں خوش رہو ؎

جاہلیت کا یہ سلام بالکل انگریزوں کے سلام کے مطابق تھا۔ جس طرح اُن کے ہاں صبح۔ شام۔ دوپہر۔ اور رات کے لئے علیحدہ علیحدہ سلام مقرر ہیں۔ اسی طرح جاہلیت کے لوگوں نے صبح۔ شام۔ اور رات کے لئے علیحدہ علیحدہ سلام مقرر کر رکھے تھے۔ جاہلیت اور انگریزوں کے سلام کے معنی بھی ایک ہی ہیں یعنی وہ صبح کو گڈ مارننگ۔ شام کو گڈ ایوننگ۔ اور رات کو گڈ نائیٹ کہتے ہیں۔ جو بعینہٖ انعم صباحاً۔ انعم مساءً۔ اور انعم ظلاماً کے ہم معنی ہے۔ انگریزوں کے ہاں دوپہر کا سلام گڈ نون ہے۔ اس کے لئے جاہلیت میں کوئی لفظ نہیں تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے نزدیک دن کے شروع سے لیکر دوپہر تک کا نام صباح ہے۔ اور دوپہر سے رات تک مساء ہے ؎

شعرائے جاہلیت کے کلام میں اگرچہ صباحاً۔ مساءً اور ظلاماً تینوں لفظ پائے جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر بغیر کسی وقت کی قید اور پابندی کے لفظ صباحاً ہی بولا جاتا تھا۔ اس کا استعمال ہر وقت میں صحیح سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کو دوسرے لفظوں سے افضل اور اعلےٰ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ امر جذع بن سنان کے شعر سے جو اوپر مذکور ہوا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب رات میں اُس کے پاس جن آئے تو اُس نے انہیں عموا صباحاً کہا ؎

صبح کی تخصیص اس لئے کرتے تھے کہ صبح دن کا شروع ہے۔ پس اُن کا مطلب اس دعا سے یہ ہوتا تھا کہ خوشی تمہارے پاس آنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرے۔ جوں ہی تم صبح کو بستر سے اُٹھو۔ خوشی تمہارے پاس فوراً آموجود ہو۔ اور پھر بطریق استصحاب حال ہمیشہ تمہارے پاس رہے +

یہ سلام عامۃ النّاس کا تھا۔ لیکن جب بادشاہوں کو سلام کیا جاتا تھا۔ تو انکو یہ الفاظ نہیں کہے جاتے تھے۔ ان کا سلام ابیتَ اللّعن تھا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ تو ان کاموں سے بچیو جو لعنت کا موجب ہیں +

بادشاہوں کیلئے سلام

غسل و طہارت

عرب جاہلیت نہایت صاف اور ستھرے رہتے تھے۔ طہارت کے پورے پابند تھے۔ ان کی طہارت میں وہ دس فطری باتیں تھیں جن میں خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا۔ ان دس باتوں میں سے پانچ سر کے متعلق ہیں اور پانچ تمام جسم کے۔ جو باتیں سر کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں کلی کرنا۔ منہ دھوتے وقت ناک میں پانی دینا۔ لبیں کتروانا۔ سر میں مانگ نکالنا اور مسواک کرنا۔ جسم کے متعلق پانچ باتیں یہ ہیں۔ استنجا کرنا۔ ناخن ترشوانا۔ بغلوں کے بال اکھاڑنا۔ استرا لینا۔ اور ختنہ کرنا۔ اسلام نے ان باتوں کو قایم رکھا اور منجملہ سنن اسلام کے قرار دیا۔ حدیثوں میں تفصیل ان کا ذکر موجود ہے۔ ان باتوں کے عرب جاہلیت ہمیشہ پابند رہتے تھے۔ اس کے علاوہ غسل جنابت کے بھی پابند تھے۔ عورت سے ہم بستر ہونیکے بعد اور احتلام سے غسل کرتے تھے •

عرب جاہلیت حالت حیض میں عورتوں کو اپنے بستروں سے علیحدہ کر دیتے تھے۔ اور ان سے اجتناب کرنے میں حد درجہ کا مبالغہ کرتے تھے۔ نہ ان کے

ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ نہ پانی پیتے تھے۔ اور نہ ایک گھر میں رہتے تھے۔ ان کا ایسا کرنا ان کی کمال نظافت کی دلیل ہے۔ یہ طریق شاید انہوں نے یہودیوں سے لیا ہو۔ کیونکہ حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی حائضہ عورت کو غایت درجہ کا نجس خیال کرتے تھے اور اُس کے برتن علیحدہ کر دیتے تھے۔ نہ کھانے پینے میں اُن کو اپنے ساتھ شریک کرتے تھے۔ اور نہ ایک گھر میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ خیر کچھ ہی ہو جاہلیّت کا یہ طریق چنداں معیوب نہ تھا۔ کیونکہ اس سے اُن کی کمال نظافت و طہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اُن کا یہ عمل توریت کے مطابق ہے۔ لیکن بڑا تعجب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں وہ لوگ عورتوں سے خلاف وضع فطری کارروائی کرتے تھے۔ جس سے ان کی ساری طہارت ونظافت خاک میں مل جاتی ہے۔ ان کے اس فعل شنیع کے ثبوت میں دو تین روایتیں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھی ہیں۔ ہم کو ان روایتوں کی صحت پر یقین نہیں آتا۔ اہل عرب کی صفائی پسند طبیعتیں اس ناپاک فعل کو کیونکر گوارا کر سکتی ہیں۔ وہ اُس پانی سے کہیں زیادہ پاک و صاف تھے۔ جو ابھی آسمان سے اُترا ہو۔ اور ہنوز زمین پر نہ گرا ہو۔ شاید یہ روایتیں غلط ہوں۔ اور اگر محدثانہ تحقیق و تدقیق سے اُن کو دیکھا جائے تو یقیناً غلط ثابت ہوں گی۔ ہم اس موقع پر ان روایات سے بحث کرنا غیر ضروری جانتے ہیں۔ فقط اجمالی اشارہ کافی ہے۔

نماز

بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت میں نماز کا بھی دستور تھا۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ابو ذرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پیشتر تین برس تک نماز پڑھی ہے۔ اس پر اُن سے

شاگرد نے اُن سے پوچھا کہ منہ کس طرف کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا منہ کس طرف کرتا۔ جس طرف خدا پھیر دیتا تھا اُسی طرف کر لیتا تھا +

جاہلیت کی نماز مسلمانوں کی نماز کے مشابہ تھی۔ فرقہ صابئین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دن رات میں مسلمانوں کی طرح پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ ان باتوں سے پایا جاتا ہے کہ جاہلیت میں فی الجملہ نماز کا وجود تھا۔ گو اس کا عام رواج نہ تھا۔ اور عرب کے اکثر لوگوں نے اس کو ضایع کر دیا تھا +

روزے

جس طرح مسلمانوں میں رمضان کا مہینا متبرک گنا جاتا ہے۔ اور روزوں کے لئے مخصوص ہے۔ اسی طرح جاہلیت میں رجب کا مہینا تمام مہینوں سے افضل شمار کیا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس مہینے میں روزے رکھتے تھے۔ اور غلہ اور خوردنی چیزیں خریدتے تھے۔ اور اپنے بیوی بچوں کے رزق میں فراخی کرتے تھے۔ اس مہینے میں کُشت و قتال اور خونریزی حرام تھی۔ اسی مہینے میں سفر کرتے تھے اور بعض بعض کی طرف سے مامون اور بے خوف ہو جاتے تھے۔ لوٹ مار اور جنگ کی طرف سے کسی کو کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ خصوصاً رجب کے پہلے دن کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اگر دو شخصوں کے درمیان عداوت ہوتی تھی تو وہ اس متبرک مہینے میں آپس میں صلح کر لیتے تھے[1] +

رجب کے علاوہ جاہلیت میں دسویں محرم یعنی عاشورہ کے روز روزہ رکھنے کا عام رواج تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پیشتر مطابق رسم جاہلیت کے اس دن روزہ رکھتے تھے۔ ان کے اس دن روزہ رکھنے کی مختلف

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳ +

وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دن اُنکے ہاں متبرک گنا جاتا تھا۔ اس لئے وہ اِس دن کی تعظیم کرتے تھے۔ اس میں روزہ رکھتے تھے۔ اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ قریش نے جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تھا جس پر انہیں سخت ندامت ہوئی۔ اس پر کسی نے اُن سے کہا کہ عاشورہ کا روزہ رکھو اُس سے تمہارے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ قریش نے گناہ کے کفارہ میں روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ ایک مرتبہ جاہلیت میں سخت قحط پڑا تھا۔ جب وہ دور ہو گیا۔ تو لوگوں نے اس کے شکریہ میں یہ روزہ رکھا۔ بعض کا یہ گمان ہے کہ انہوں نے یہ روزہ کسی پہلی شریعت سے لیا تھا ؎

ہمارے خیال میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ جاہلیت کے لوگوں میں اس روزہ کا خیال یہودیوں سے پیدا ہوا۔ کیونکہ وہ اِس روز روزہ رکھتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ اس روز خدا نے موسیٰ علیہ السّلام کو ان کے دشمن پر فتح دی تھی۔ اور اُس کو غرق کیا تھا۔ اس کے شکریہ میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا تھا۔ ہم اس امر میں موسیٰؑ کا اتباع کرتے ہیں۔ اور اُن کے فتحیاب ہونے کی خوشی مناتے ہیں ؎

غرض کچھ ہی وجہ ہو جاہلیت میں یہ روزہ رکھا جاتا تھا۔ اور جاہلیت کے لوگ اس روزہ کو واجب جانتے تھے۔ اسلام میں اِس روزہ کی بابت علماء نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بالکل منسوخ ہو گیا اور بعض کا یہ خیال ہے۔ کہ صرف فرضیت منسوخ ہوئی ہے۔ افضلیت اب بھی باقی ہے ؎

اعتکاف

جاہلیت میں اعتکاف بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حدیثوں میں اس کی جا بجا

تصریح ہے شیخ ابن حجر نے لکھا ہے۔ کہ بعض لوگ خاموش اعتکاف بھی کرتے تھے۔ یعنی جتنے دنوں اعتکاف میں رہتے کسی سے کلام نہ کرتے +

جاہلیت کے لوگ حج اور عمرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے حج اور عمرہ میں وہ تمام ارکان واعمال شامل تھے۔ جو آج مسلمانوں میں رائج ہیں۔ حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھتے تھے اور اُس میں تلبیہ کہتے تھے۔ خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے۔ حجر اسود کا بوسہ لیتے تھے۔ یا اُس کو ہاتھ لگاتے تھے۔ سات مرتبہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ اور باستثناء قریش تمام عرب جملہ مواقف میں کھڑے ہوتے تھے۔ قربانی کے لئے خانہ کعبہ کو اپنے ساتھ جانور لیجاتے تھے۔ اور رمی جمار بھی کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے حج میں اپنی طرف سے چند بدعتیں نکال لی تھیں۔ ہم ان کی بدعتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ ان کا حج اور عمرہ مسلمانوں کے حج اور عمرہ سے کن کن باتوں میں مختلف تھا۔ اور اسلام نے ان کی کن کن امور میں اصلاح کی +

احرام۔ اس میں کئی بدعتیں نکالی تھیں۔ ابو مجلز سے روایت ہے کہ جاہلیت میں جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھتا تو بالوں کا ایک ہار اپنے گلے میں ڈال لیتا۔ اُس کے سبب سے کوئی اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ دیتا۔ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتا تو اذخر کا ہار پہن لیتا +

احرام باندھنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہونا چاہتا تو دروازہ سے داخل نہ ہوتا۔ بلکہ چھپت کی دیوار میں نقب لگا کر داخل ہوتا۔ یا سیڑھی لگا کر چھت پر چڑھتا اور چھت پھوڑ کر اندر داخل ہوتا۔ اس طریق کا رواج زیادہ تر انصار میں تھا۔ قریش میں یہ دستور نہیں تھا۔ حمس یعنی قریش کو پنیر اور مکھن

کھانا اور صوف کے خیمہ میں رہنا جائز نہیں تھا۔ اس حکم کے مکلف خاص قریش ہی تھے۔ اور انہوں نے ہی یہ انوکھا طریق ایجاد کیا تھا۔ وہ جب تک مُحرِم رہتے چمڑوں کے خیموں میں رہتے۔ چمڑے کے خیموں کے سوا اَور کسی چیز کے سایہ میں نہ بیٹھتے کیونکہ اور کسی چیز کے سایہ میں بیٹھنا اُن کے نزدیک خلاف احرام تھا +

قریش نے یہ بھی فتویٰ دیا کہ جو لوگ حدود حرم سے باہر کے رہنے والے ہیں وہ جب حج یا عمرہ کے لئے حرم میں آئیں تو انہیں وہ کھانا کھانا درست نہیں ہے جو بیرون حرم سے اپنے ساتھ حرم میں لائیں۔ اُن کے اس فتوے کو تمام عرب نے قبول کر لیا اور وہ کھانا کھانا جسے بیرون حرم کے حاجی اپنے ساتھ لائے ہوں خلاف احرام سمجھا گیا +

تلبیہ۔ جاہلیت کے تلبیہ کے وہی الفاظ تھے جو مسلمانوں کے تلبیہ کے ہیں۔ لیکن وہ اس میں بعض الفاظ شرک کے بھی ملا دیتے تھے۔ ان کے تلبیہ کے یہ الفاظ ہوتے تھے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکٌ ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ۔ یعنی اے اللہ ہم تیری خدمت کیلئے ہر وقت موجود ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے فقط ایک شریک ہے سو وہ بھی تیرا ہی ہے۔ تو اُس کا مالک ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں +

وقوف عرفات۔ جس طرح مسلمان عرفات میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جاہلیت میں بھی باستثناء قریش تمام عرب عرفات میں کھڑے ہوتے تھے لیکن قریش نے عرفات میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا تھا جب سب لوگ عرفات میں کھڑے ہوتے تھے وہ مزدلفہ میں کھڑے ہوتے تھے۔ انمیں جو لوگ مقتدا اور پیشوا تھے۔ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہتے تھے۔ کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور مکے کے رہنے والے اور خانہ کعبہ کے متولی ہو تمہاری عزت

سب سے زیادہ ہے اور جو حقوق تمہارے ہیں وہ کسی عربی کے نہیں۔ تمام عرب جسقدر تمہاری تعظیم وتکریم کرتے ہیں اسقدر تعظیم وتکریم اَور کسی کی نہیں کرتے۔ غرض تمہارے رتبہ کا کوئی شخص نہیں۔ اس لئے تم کو مناسب ہے کہ جو مقامات حدودِ حرم سے باہر ہیں تم اُن کی ایسی تعظیم نہ کرو جیسی حرم کی کرتے ہو۔ کیونکہ اگر تم ایسا کروگے تو تم عرب کی آنکھوں میں حقیر ہو جاؤگے۔ وہ کہیں گے کہ یہ حلّ اور حرم دونوں کی تعظیم برابر کرتے ہیں۔

اس مغرورانہ خیال کی بنا پر قریش نے عرفات میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا لیکن معہذا وہ اس بات کے مقر تھے۔ کہ وقوف عرفات اور وہاں سے مزدلفہ جانا ارکان حج اور دین ابراہیم علیہ السلام میں سے ہے۔ اسی لئے وہ اپنے سوا تمام عرب کو وقوف عرفات اور وہاں سے مزدلفہ جانے کا حکم دیتے تھے۔ لیکن اپنے اعزاز میں فرق آنے کے خوف سے خود عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم خاص حرم کے رہنے والے ہیں۔ اس لئے ہمیں مناسب نہیں ہے کہ حرم سے باہر نکلیں اور حرم وحل دونوں کی یکساں تعظیم کریں۔ کیونکہ ہم لوگ حُمس یعنی حرم کے باشندے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے حُمس یعنی قریش کے اس لغو اور بیہودہ خیال کی تردید فرمائی اور حکم دیا کہ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ یعنی اے قریش جہاں سے سب لوگ مزدلفہ کو لوٹتے ہیں وہیں سے تم بھی لوٹو۔

طواف۔ اس میں یہ بدعت نکالی کہ ننگے طواف کرتے تھے۔ قریش نے حرم سے باہر رہنے والے لوگوں کو یہ فتوے دیا۔ کہ جب باہر کے لوگ مکے میں داخل ہوں تو خانہ کعبہ کا پہلا طواف جسے طواف قدوم کہتے ہیں۔ حُمس کے کپڑے پہن کر کریں۔ کیونکہ حُمس کے کپڑوں کے سوا اَور کپڑوں میں خانہ کعبہ کا پہلا طواف درست نہیں ہے۔ اگر انہیں حُمس کے کپڑے نہ ملیں تو ننگے

طواف کریں[1]۔

لیکن اگر کوئی مرد یا عورت ذی عزت ہو اور اُسے حُمس کے کپڑے نہ ملیں تو اُسے جائز ہے کہ وہ اپنے انہیں کپڑوں میں طواف کرلے جو اپنے ساتھ حل سے لایا ہے۔ لیکن طواف سے فارغ ہونے کے بعد ان کو نکال کر پھینک دے پھر کبھی اُن کپڑوں سے فایدہ نہ اٹھائے۔ وہ کپڑے جہاں اس نے پھینکے ہوں ہمیشہ وہیں پڑے رہیں۔ ان کو کبھی کوئی ہاتھ نہ لگائے نہ کپڑوں والا اور نہ کوئی اَور۔ ان کپڑوں کا نام اہل عرب نے لُقار رکھا تھا۔ غرض قریش نے عرب کو جو باتیں سکھلائیں۔ عرب نے اُن کو دین میں داخل کرلیا۔

وہ لوگ وقوف عرفات کرتے پھر وہاں سے مزدلفہ جاتے اور ننگے طواف کرتے۔ عورتیں جب طواف کرتیں اپنے تمام کپڑے اُتار ڈالتیں اور شرمگاہ پر ایک دھجی یا چیتھڑ رکھ لیتیں۔ پھر طواف کرتیں اور یوں کہتیں ؎

الیوم یبدو بعضہ او کلُّہ وما بدا منہ فلا احلُّہ	یعنی آج میرا سارا بدن یا اس کا کوئی حصہ کھل جائیگا لیکن جو اس میں سے کھل جائے میں اس کا دیکھنا

کسی کے لئے حلال نہیں کرتی[2]۔

غرض تمام لوگ ننگے طواف کرتے تھے۔ جو شخص اپنے اُن کپڑوں میں جو حل سے اپنے ہمراہ لاتا تھا طواف کرتا تھا۔ وہ اُن کو طواف سے فارغ ہونے کے بعد پھینک دیتا تھا۔ پھر کوئی اُن کپڑوں سے فایدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ نہ خود کپڑوں والا اور نہ کوئی اَور۔ خدا تعالےٰ نے اُن کی اِن بیہودہ باتوں کی

---

[1] قریش کا یہ فتوےٰ بلوغ الارب فی احوال العرب جلد۲ میں لکھا ہے۔ لیکن تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے کہ جو لوگ ننگے طواف کرتے تھے۔ وہ یوں کہتے تھے کہ جس طرح ہم اپنی ماؤں کے پیٹ سے ننگے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہم ننگے ہی طواف بھی کرتے ہیں۔ [2] دیکھو تفسیر ابن جریر صـ۱۰۴ جلد ۸ اور بلوغ الارب فی احوال العرب صـ۳۲۱ جلد ۲۔

تردید فرمائی اور یہ حکم نازل فرمایا کہ

يَا بَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝	اے بنی آدم ہر مسجد کے پاس اپنی زینت (کپڑے) اپنے ساتھ رکھو۔ اور خوب کھاؤ پیو۔ ہاں فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ خدا فضول خرچوں کو دوست نہیں رکھتا اے نبی کہہ کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہے اور پاک روزیوں کو کس

لے حرام کیا۔ کہہ کہ وہ تو دنیا کی زندگی میں مومنوں کے لیئے ہیں۔ اور قیامت کے دن خاص انہیں کو ملیں گی۔ جاننے والوں کے لیئے ہم یوں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں +

حج خاموش

جاہلیت میں حج کی ایک اور قسم تھی۔ جس کو حج مُصمِت یعنی خاموش حج کہتے تھے۔ اس حج میں شروع احرام سے آخر تک کلام کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا احرام باندھنے کے بعد آدمی گونگوں کی طرح بالکل چپ چاپ ہو جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس کو بڑا ثواب جانتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک عورت کو جس کا نام زینب بنت المہاجر تھا دیکھا کہ بالکل چپ چاپ اور خاموش ہے۔ کسی سے بات نہیں کرتی۔ آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اس عورت کی یہ حالت کیوں ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس نے حج مُصمِت کی نیت کی ہے۔ اب جب تک یہ جملہ ارکان حج سے فارغ نہ ہولے اس وقت تک کسی سے بات نہیں کرسکتی۔ آپ اس کے قریب گئے اور فرمایا کہ کلام کر۔ یہ فعل حلال نہیں ہے۔ یہ عمل جاہلیت میں سے ہے۔ اُس نے آپ کا یہ فتویٰ سُنکر آپ سے کلام کیا۔ اور جن لغویات

[1] بخاری شریف +

کی نیت کی تھی۔ اُس کا ارادہ فسخ کر دیا +

عمرہ جاہلیت کے لوگ غیر اشہر حج میں کرتے تھے۔ اشہر حج میں عمرہ کرنا اُن کے نزدیک فجور میں داخل تھا۔ ان کا یہ قول تھا کہ اِذَا بَرِئَ الدَّبَرُ وَعَفَی الْاَثَرُ حَلَّتِ الْعُمْرَۃُ لِمَنِ اعْتَمَرَ۔ یعنی جب حج کے اونٹوں کی لگی ہوئی پیٹھ اچھی ہو جائے اور حاجیوں کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اس وقت عمرہ کرنیوالے کے لئے عمرہ کرنا حلال ہے +

جاہلیت کے لوگ خانہ کعبہ کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اور اس میں کشت وقتال اور خونریزی کرنا حرام جانتے تھے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن زید نے روایت کی ہے کہ عرب کے سوا تمام ملکوں میں بادشاہ ہوتے تھے۔ جن کی وجہ سے کوئی کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا۔ ان کا قانون ظالم کو ظلم سے روکتا تھا اور مظلوم کی فریادرسی کرتا تھا۔ لیکن عرب میں ایسے بادشاہ نہ تھے۔ اس لئے خدا تعالے نے عربوں کے لئے کعبہ کو قیام گاہ بنایا۔ اس میں لوگ امن پاتے تھے۔ اور کوئی کسی کو نہ ستا سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ میں اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو اُس کو بھی خانہ کعبہ کی حرمت کے خیال سے قتل نہیں کر سکتا تھا +

جاہلیت کے لوگ اشہر حرم کی بھی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ان دنوں میں لوٹ مار بند کر دیتے۔ اور اپنے نیزوں کی بھالیں اُتار رکھتے۔ بے خوف وخطر تجارت کرتے اور اپنی روزی کماتے۔ اور ہر طرح سے مطمئن رہتے۔ ان دنوں کی حرمت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وقت سے چلی آتی تھی۔ لیکن بعض اوقات ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے اور محرم کا نام صفر رکھ دیتے تھے۔ اس کا ذکر نسئی کے بیان میں مفصل آئیگا +

نکاح

عرب جاہلیت میں نکاح آٹھ قسم کا تھا

۱۔ نکاح عام۔ اس نکاح کی صورت آجکل کے نکاح سے جو مسلمانوں میں رائج ہے ملتی جلتی تھی۔ جاہلیت کے شرفاء میں اکثر اسی نکاح کا رواج تھا اور یہ نکاح اور نکاحوں سے بہتر خیال کیا جاتا تھا۔ اس کا طریق یہ تھا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے اسکی بیٹی یا اُس عورت کی جو اُس کی ولایت میں ہوتی منگنی کی درخواست کرتا۔ اور اُس کا مہر مقرر کرتا۔ جب وہ شخص منگنی منظور کر لیتا تو مہر کی معین مقدار پر جس کا اُس مجلس میں ذکر ہو جاتا اس کے ساتھ عقد کرتا۔ منگنی کی درخواست عوت کے باپ یا بھائی یا چچا یا چچازاد بھائیوں سے کرتے تھے۔ خاطب جب منگنی کی درخواست کرتا تو عورت کے باپ یا ولی سے کہتا کہ خدا کرے تم ہر صبح خوش رہو۔ پھر کہتا کہ ہم تمہارے جوڑ گوت اور ذات برادری کے ہیں۔ اگر تم ہم سے اپنی بیٹی بیاہ دو تو ہماری خوشی پوری ہو جائے گی۔ اور ہم تمہارے ہو جائینگے اور تمہاری تعریف کرتے ہوئے ہم تمہاری فرزندی میں داخل ہوں گے۔ اور اگر کسی علت کی وجہ سے جس کو ہم بھی جانتے ہوں تم ہمیں محروم لوٹاؤ گے۔ تو ہم تم کو معذور سمجھ کر لوٹ جائینگے۔ اگر عورت کی قوم سے خاطب کی قرابت قریب ہوتی اور اُس کی منگنی منظور ہو کر اس کے ساتھ عقد ہو جاتا تو رخصت کے وقت لڑکی کا باپ یا بھائی لڑکی سے کہتا۔ کہ خدا کرے جب تو اُس کے پاس جائے۔ تو عیش و آرام سے رہے۔ اور لڑکے جنے نہ لڑکیاں۔ خدا تجھ سے کثیر التعداد اور عزت والے اشخاص پیدا کرے اور تیری نسل ہمیشہ قایم رہے۔ اپنا خلق عمدہ رکھنا اور اپنے شوہر کی عزت اور تعظیم کرنا۔ اور پانی کو خوشبو سمجھنا* اگر عورت کسی اجنبی اور پردیسی سے بیاہی جاتی تو اُس کا باپ یا بھائی

اُس سے کہتا کہ خدا کرے نہ تو عیش و آرام میں رہے اور نہ لڑکے جنے۔ کیونکہ تو اجنبیوں سے قریب ہوگی اور دشمنوں کو جنے گی۔ اپنا خلق عمدہ رکھنا اور اپنے شوہر کے عزیز و اقارب کی نظر میں پیاری بنی رہنا۔ کیونکہ ان کی آنکھیں تیری طرف اٹھی ہوئی ہوں گی اور ان کے کان تیری طرف لگے ہوئے ہوں گے۔ اور پانی کو خوشبو سمجھنا*

قریش اور عرب کے اکثر قبائل میں یہی نکاح رائج تھا اور اکثر شریف اور خاندانی لوگ اسی نکاح کو پسند کرتے تھے*

۲۔ نکاح استبضاع۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جاتی تو اس کا شوہر اُس سے کہتا کہ فلاں شخص کو اپنے پاس بلوالے۔ اور اس سے ہم بستر ہو تاکہ تو اُس سے حاملہ ہو جائے۔ وہ عورت اس شخص کو بلواتی اور اُس کے ساتھ ہم بستر ہوتی۔ اس عرصہ میں اس کا شوہر اُس سے علیحدہ رہتا اور جب تک اُس عورت کو اُس شخص سے حمل ظاہر نہ ہوتا جس سے اس نے استبضاع چاہا تھا۔ شوہر اُس کو ہاتھ نہ لگاتا۔ جب اس سے اُس کا حمل ظاہر ہو جاتا اُس وقت اس کا شوہر جب اُس کا جی چاہتا اس کے ساتھ ہم بستر ہوتا۔ استبضاع اُن سرداروں اور رؤساء کے ساتھ کراتے تھے۔ جو شجاعت یا سخاوت وغیرہ اوصاف میں مشہور ہوتے تھے۔ اور یہ اس لئے کرتے تھے کہ بچہ نجیب و شریف پیدا ہو۔ کیونکہ عمدہ نر کے پانی سے عمدہ ہی اولاد ہوتی ہے گویا اکابر اور شرفاء سے تخم لینے کا نام اِستبضاع تھا۔ آریوں کا نیوگ اور یہ صورت ایک قسم کی ہے۔ حیض سے پاک ہونے کے بعد اسلئے کراتے تھے تاکہ اُس عورت کو حمل رہجائے۔ کیونکہ اسوقت نطفہ کا ٹھیرنا زیادہ یقینی ہے[1]*

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب*

۳۔ نکاح کی ایک اَور قسم ۔ چند آدمی مل کر جو دس سے کم ہوتے عورت کے پاس جاتے اور نوبت بہ نوبت اُس سے ہم بستر ہوتے ۔ یہ کام عورت کی رضامندی اور آپس کے اتفاق سے کرتے ۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی اور مدت مقررہ کے بعد بچّہ جنتی ۔ اور بچّہ پیدا ہوئے چند دن گزر جاتے تو اُن سب کو اپنے پاس بلواتی ۔ وہ سب اُس کے پاس جمع ہو جاتے ۔ کسی کی یہ مجال نہ ہوتی کہ اُس کے پاس آنے سے انکار کرے ۔ جب وہ اس کے پاس جمع ہو جاتے ۔ تو اُن سے کہتی کہ تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے تمہیں معلوم ہے ۔ اب میں نے یہ بچّہ جنا ہے ۔ سو لے فلانے یہ تیرا بیٹا ہے ۔ عورت جس کو چاہتی اُس کا نام لے دیتی اور وہ اس کا بیٹا قرار پا جاتا ۔ وہ شخص اس کے قبول کرنے سے انکار نہ کر سکتا ۔ یہ اس وقت ہوتا تھا جب بچّہ لڑکا ہوتا ۔ اور اگر لڑکی ہوتی تو اس کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی ۔ کہ کسی کی بیٹی قرار دی جائے ۔ کیونکہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے ۔

۴۔ نکاح کی ایک اَور قسم ۔ بہت سے آدمی جمع ہو کر عورت کے پاس جاتے ۔ وہ کسی کو جو اس کے پاس آتا منع نہ کرتی ۔ یہ فاحشہ عورتیں تھیں ۔ جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں کھڑی کرتی تھیں ۔ یہ جھنڈیاں اس بات کی نشانی ہوتی تھیں ۔ کہ جو ان کے پاس آنا چاہے چلا آئے کسی کو ممانعت نہیں ہے ۔ ان میں سے جب کوئی عورت کسی سے حاملہ ہو جاتی اور بچّہ جنتی ۔ تو سب اُس کے پاس جمع ہوتے اور ایک قیافہ شناس کو بُلاتے ۔ قیافہ شناس بچّہ کو جس کے مشابہ پاتا اُس کا بیٹا قرار دیتا ۔ عورت بچّہ اُس کو دے دیتی اور وہ اس کا بیٹا کہلانے لگتا ۔ مرد اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا ۔ جاہلیت میں اپنے دروازوں پر جھنڈیاں کھڑی کرنے والی عورتوں میں سے ہشام بن الکلبی نے کتاب مثالب میں دس سے زیادہ مشہور عورتوں کے نام بیان کئے ہیں ۔ انہیں میں سے ایک عورت

ام مہزول تھی جو جاہلیت میں زنا کراتی تھی۔ اسلام کے زمانہ میں بعض صحابہ نے
اُس سے نکاح کرنا چاہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اَلزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا
زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ یعنی زانیہ عورت سے نکاح کرنا زانی یا مشرک کا کام ہے ؞

۵۔ نکاح الخدن۔ اس کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا
ہے۔ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ ؕ

خدن کے معنی یارانے کے ہیں یعنی مخفی طور پر کسی عورت سے یارانہ کرنا۔
زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ جو نکاح چھپا کر کیا جائے اُس میں مضائقہ
نہیں ہے لیکن جو نکاح ظاہر ہو وہ منحوس ہے ؞

۶۔ نکاح متعہ۔ متعہ کی یہ صورت تھی کہ عورت سے ایک مدت معیّنہ کے لئے
نکاح کرتے تھے۔ جب مدت ختم ہو جاتی تھی تو زوجین کے درمیان خود بخود فرقت
واقع ہو جاتی تھی ؞

۷۔ نکاح البدل۔ اس کی یہ صورت تھی کہ ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا
تھا کہ تو میرے لئے اپنی عورت سے علیحدہ ہو جا۔ میں تیرے لئے اپنی عورت
سے علیحدہ ہوتا ہوں۔ اس طرح پر وہ آپس میں ایک دوسرے سے اپنی بیویاں
بدل لیتے تھے۔ اور یہ اُن کے نزدیک نکاح تھا ؞

۸۔ نکاح شغار۔ اِس کی یہ صورت تھی کہ آدمی اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی یا کسی
اَور عزیزہ کو اس شرط پر کسی کے ساتھ بیاہ دیتا کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی یا کسی
اَور عزیزہ کو اس کے ساتھ بیاہ دے۔ ان دونوں نکاحوں میں مہر کسی کا مقرر
نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ یہ آپس کا تبادلہ یعنی ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہوتا
تھا۔ ہندوستان میں اسکو آٹا ساٹی کہتے ہیں۔ لیکن یہاں دونوں نکاحوں میں
مہر بھی ہوتا ہے۔ جاہلیت میں سوائے تبادلہ کے مہر کچھ نہیں ہوتا تھا ؞

اہل جاہلیت۔ ماں ۔ بیٹی ۔ خالہ ۔ پھوپھی ۔ بہن ۔ بھانجی ۔ بھتیجی ۔ اوران تمام عورتوں سے نکاح نہیں کرتے تھے ۔ جن سے شریعت اسلام میں نکاح کرنا حرام ہے ۔ ان رشتہ دار عورتوں کو خواہ وہ نسبی ہوتیں یا رضاعی نکاح میں لانا حرام جانتے ۔ خصوصاً قریش اس بارہ میں سب سے زیادہ حیا اور غیرت والے تھے ۔ وہ ان ارحام قریبہ کی حرمت کا پورا پورا پاس ولحاظ رکھتے تھے ۔ مسلمانوں کے ہاں جو عورتیں محرمات میں داخل ہیں ۔ جاہلیت میں اُن میں سے صرف دو صورتیں مستثنیٰ تھیں ۔ اول یہ کہ وہ لوگ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے ۔ کیونکہ وہ اُس کو میّت کا ترکہ تصوّر کرتے تھے ۔ باپ کی بیوی کا سب سے زیادہ مستحق اُس کا بڑا بیٹا خیال کیا جاتا تھا ۔ اگر وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تو بے تامل کرلیتا ۔ کوئی عیب نہ تھا ۔ چنانچہ جاہلیت میں ایسے بے شمار نکاح ہوئے ہیں ۔ جو لوگ اس قسم کا نکاح کرتے تھے اُن کو ضیزن کہا جاتا تھا ۔ بنی قیس بن ثعلبہ میں سے تین بھائیوں نے یکے بعد دیگرے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا ۔ اوس بن حجر تیمی اُن کو ان کے اس فعل پر عار دلاتا ہے ؎

نَبِّئُوا فُكَيْهَةَ وَامْشُوا حَوْلَ قُبَّتِهَا	فکیہہ سے ہم بستر ہو اور اس کے قبّہ کے گرد چکر لگاؤ
فَكُلُّكُمْ لِأَبِيهِ ضَيْزَنٌ سَلِفُ	تم سب اپنے باپ کے ضیزن سلف ہو ۔

اگر میّت کا بڑا بیٹا اس کی بیوی سے نکاح کرنا نہ چاہتا تو اس کے چھوٹے بھائی کرلیتے ۔ اور اگر وہ بھی نہ چاہتے تو میّت کا اَور کوئی قریبی رشتہ دار کرلیتا ۔ اس میں عورت کی رضامندی کی ضرورت نہ تھی ۔ کیونکہ وہ میّت کا ترکہ تھی ۔ جو کوئی اُس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا وہی اُس کے نکاح کا مالک ہوجاتا ۔ جاہلیت میں اس نکاح کو نکاح مقت کہتے تھے ۔ اور جو اولاد اس سے پیدا ہوتی تھی

اُس کو مقتی۔ قرآن مجید میں خدا تعالےٰ نے اس نکاح کو حرام فرمایا۔ اور اس کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا یعنی جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے تم اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا یہ نکاح کرنا بےحیائی اور خدا کے غصّے کا باعث ہے[۱]۔

دوسری صورت جو شریعت اسلام کے خلاف تھی۔ یہ تھی کہ وہ لوگ نکاح میں دو سگی بہنوں کو ایک وقت میں جمع کر لیتے تھے۔ اس میں بھی اُن کے نزدیک کوئی عیب نہ تھا۔ خدا تعالےٰ نے اس کو بھی أَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ نازل فرما کر حرام فرمایا۔ یعنی تم پر دو بہنوں کا ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے[۲]۔

جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد معین نہ تھی۔ مرد جسقدر بیویاں چاہتے تھے کر لیتے تھے۔ چنانچہ جب قیس بن حارث مسلمان ہوئے۔ تو اُس وقت اُن کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں۔ اور غیلان بن سلمہ ثقفی کے اسلام قبول کرنے کے وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار نکاحوں کی اجازت دی اور اس سے زیادہ کی ممانعت کر دی۔

ولائم

(یعنی شادی غمی کے کھانے)

ولائم جمع ولیمہ کی ہے۔ ولیمہ وہ کھانا ہے جو شادی غمی کی کسی تقریب پر دیا جائے یہ لفظ وَلَم سے مشتق ہے۔ جسکے معنی جمع ہونے کے ہیں۔ چونکہ اس کے کھانے

---

[۱] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ [۲] دیکھو تفسیر ابن جریر صفحہ ۲۰ جلد ۳

کو محلہ اور برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔ امام شافعی اور شوافع کہتے ہیں کہ ولیمہ کا اطلاق ہر اس دعوت پر کیا جاتا ہے۔ جو نکاح یا ختنوں وغیرہ کی خوشی میں کی جائے۔ لیکن جب مطلق لفظ ولیمہ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نکاح کا کھانا ہوتا ہے۔ غیر نکاح میں اس کو مقید کر کے بولتے ہیں۔ یعنی جس تقریب کا ولیمہ ہوتا ہے اس کی طرف مضاف کر دیتے ہیں مثلاً ختنوں کے ولیمہ کو ولیمہ ختان کہتے ہیں +

جاہلیت میں مختلف تقریبوں پر سولہ ولیمہ کرتے تھے۔ اور ہر ولیمہ ایک خاص نام سے موسوم تھا۔ ان ولیموں کی تفصیل حسب ذیل ہے +

(۱) خُرس۔ یہ کھانا بچہ پیدا ہونے کے بعد۔ عورت کے دردزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگوں کو جس قدر خوشی بچہ پیدا ہونیکی ہوتی تھی۔ اسی قدر بلکہ اُس سے بھی زیادہ عورت کے دردزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی ہوتی تھی۔ اسی لئے وہ بچہ پیدا ہونے کی تقریب پر علیحدہ علیحدہ دو کھانے دیتے تھے۔ ایک عورت کے دردزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی خوشی میں۔ اور دوسرا بچہ کے پیدا ہونے کی خوشی میں +

(۲) عقیقہ۔ یہ کھانا بچہ پیدا ہونے کی خوشی کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ اور اس کیلئے بچہ کی پیدائش کا ساتواں دن مقرر تھا۔ عقیقہ میں ایک بکری ذبح کرتے تھے اور بچہ کا سر منڈوا کر اس پر اس بکری کے خون کا لیپ کرتے تھے۔ اسی دن بچہ کا نام بھی رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ بچہ کے سر پر خون کا لیپ کرنا موقوف کیا اور اس کی بجائے زعفران کا لیپ مقرر کیا

(۳) اعذار۔ یہ کھانا ختنوں کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہے +

عقیقہ

(۴) ذوالحِذاق ۔ یہ کھانا اس وقت دیا جاتا تھا۔ جب لڑکا کمالاتِ عرب مثلاً شہسواری تیراندازی۔ شاعری وغیرہ امور میں ماہر ہو جاتا تھا +

جاہلیت میں سب سے بڑی خوشی کسی شخص کے فن شعرگوئی میں کامل و ماہر ہو جانے کی ہوتی تھی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی شخص فن شعرگوئی میں ماہر ہو جاتا۔ اور عمدہ شعر کہنے لگتا۔ تو تمام قبائل اکٹھے ہوتے اور اس قبیلہ کو مبارکباد دیتے۔ اس قبیلہ کے تمام آدمی خوش ہوتے اور عید مناتے۔ بیاہ شادی کی طرح عورتیں جمع ہو کر گیت گاتیں۔ لہو و لعب میں مشغول ہوتیں۔ اور انواع و اقسام کے کھیل۔ تماشے کرتیں۔ نفیس اور عمدہ کھانے پکتے اور دوسرے قبائل کو کھلائے جاتے۔ اور وہ تمام دن خوشی میں گزرتا۔ جاہلیت کے لوگ فقط تین چیزوں کی مبارکباد دیتے تھے۔ لڑکا پیدا ہونے کی۔ گھوڑی کے بچھیرا دینے کی۔ کسی قبیلہ میں کسی شخص کے فن شعرگوئی میں ماہر ہو جانے کی۔ ان تین چیزوں کے سوا اُن کے ہاں اور کسی چیز کی مبارکباد دینے کا دستور نہ تھا[1] +

غرض اِس تقریب یا اس قسم کی اور تقریبوں پر جو کھانا دیا جاتا تھا وہ ذوالحذاق کہلاتا تھا۔ مسلمان یہ کھانا فقط ختم قرآن کی خوشی میں دیتے ہیں۔ اور انھوں نے اس کا نام نشرہ رکھا ہے +

(۵) مِلاک ۔ یہ کھانا منگنی کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ ملاک دراصل منگنی کی تقریب ہی کا نام ہے اس میں جو کھانا دیا جاتا تھا اس کا نام شُنْدَخ ہے۔

(۶) ولیمۃ العرس ۔ یہ کھانا زن و شوہر کے اکٹھے ہونے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔ اب عام طور پر ولیمہ اسی کھانے کو کہتے ہیں۔ اسلام میں یہ کھانا دینا مسنون ہے +

(۷) وضیمہ ۔ یہ کھانا میّت کے گھر والوں کو دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اسے بھتّی کہتے ہیں۔ یہ کھانا دینا بھی اسلام میں مسنون ہے +

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳ صہ ۹۱

بھتّی کے کھانے کے علاوہ جاہلیت میں غمی کی تقریب میں چھ ضیافتیں اَور کی جاتی تھیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ میّت کے انتقال سے تیسرے۔ نویں۔ پندرھویں۔ چالیسویں دن۔ اور میّت کے انتقال کو چھ مہینے۔ اور برس گزرنے پر۔ ان ضیافتوں میں تمام اہلِ محلّہ اور برادری کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ لیکن اُن عورتوں کی سب سے زیادہ خاطر تواضع کی جاتی تھی۔ جو میت پر نوحہ کرنے کے لئے اُجرت پر رکھی جاتی تھیں[1] +

ہندوستان کے مسلمانوں میں جو تیجے۔ دسویں۔ بیسویں۔ چہلم۔ ششماہی۔ اور برسی کا رواج ہے۔ اُس کا ماخذ جاہلیّت کی یہی رسوم ہیں +

(۸) وکیرہ۔ یہ کھانا نیا مکان بنانے کی خوشی میں دیا جاتا تھا +

(۹) عقیرہ۔ یہ کھانا رجب کا چاند دیکھنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا +

(۱۰) تحفہ۔ یہ وہ کھانا ہے جو ملاقاتیوں اور ملنے والوں کے لئے تیار کیا جاتا تھا +

(۱۱) شُنْدَخ۔ یہ کھانا اس وقت دیا جاتا تھا جب کسی کو اس کی کھوئی ہوئی چیز مل جاتی تھی +

(۱۲) نقیعہ۔ یہ کھانا سفر سے صحیح وسالم واپس آنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا +

(۱۳) قِری۔ یہ وہ کھانا ہے جو مہمانوں کو کھلایا جاتا تھا +

(۱۴) مادبہ۔ یہ وہ کھانا ہے جو فیاضی کے طور پر بغیر کسی سبب کے کھلاتے تھے +

(۱۵) جفلی۔ یہ وہ کھانا ہے جس میں کسی کی تخصیص نہ تھی۔ بلکہ یہ دعوت عام ہوتی تھی اور دوست دشمن اس کھانے میں ہر کوئی شریک ہو سکتا تھا +

(۱۶) نقری۔ یہ دعوت خاص تھی جس کے لئے خاص خاص لوگوں کو بلایا جاتا تھا

[1] مناجۃ الطرب فی تقدمات العرب مولفہ نوفل آفندی مطبوعہ بیروت صفحہ

طلاق

جاہلیت میں طلاق تین قسم کی تھی ۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ثقہ اور معتبر اہل علم کی زبان سے سنا ہے کہ اہل جاہلیت تین طرح پر طلاق دیتے تھے ۔ بذریعہ ظہار کے ۔ بذریعہ ایلاء کے ۔ اور بذریعہ طلاق کے ۔ سو طلاق کو تو خدا تعالےٰ نے ثابت رکھا اور ایلاء اور ظہار میں وہ فیصلہ کیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے +

جاہلیت کے ایلاء کی نسبت طبرانی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے ۔ کہ جاہلیت میں ایک سال اور دو سال کا ایلاء کیا کرتے تھے ۔ خدا تعالےٰ نے ان کے لئے ایلاء کے کل چار مہینے مقرر کئے ۔ جو ایلاء چار مہینے سے کم کا ہو وہ ایلا نہیں ہے +

جاہلیت میں مختلف اوقات میں تین طلاقیں دیتے تھے ۔ یہ طریقہ بعینہ اسلام کا طریقہ ہے ۔ اس طریق کی بنیاد سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے ڈالی تھی ۔ پھر ان کے بعد اہل عرب نے اس پر عمل کیا ۔ چنانچہ جب اُن میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو فقط ایک طلاق دیتا ۔ اور اَور لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ شوہر اس کا حق دار سمجھا جاتا جب پوری تین طلاقیں دے چکتا ۔ اُس وقت عورت اُس سے بالکل علیحدہ ہو جاتی ۔ اور شوہر کا اس پہ کچھ اختیار باقی نہ رہتا +

یہ طریق کسی طرح قابل ملامت نہیں ہے ۔ لیکن جاہلیت میں اس میں یہ خرابی واقع ہو گئی تھی کہ اہل جاہلیت عورتوں کو طلاق دیتے جب ان کی عدت گزرنے کا زمانہ قریب ہوتا اور ایک دو دن باقی رہ جاتے اس وقت ان سے رجعت کر لیتے ۔ نہ اس غرض سے کہ انہیں اُن کے ساتھ محبت یا اُن کی حاجت ہوتی تھی ۔ بلکہ اس غرض سے کہ انہیں نقصان پہنچے اور عدت طویل ہو جائے ۔ اور نکاح ثانی کے لئے زمانہ

دراز تک انتظار کرنا پڑے +

ان کی یہ بھی شرارت تھی کہ اپنی عورتوں کو طلاق دیتے یا نکاح کرتے یا اپنا غلام آزاد کر دیتے اور کہتے کہ ہم نے مذاق کیا تھا۔ شریعت اسلام نے ان دونوں باتوں کو باطل کیا۔ پہلے امر کی نسبت خدا تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ	جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو اور اُن کی عدّت پوری ہونے کے قریب ہو۔ تو اس کے بعد انہیں خوبی کے ساتھ روکو

یا خوبی کے ساتھ چھوڑ دو۔ ضرار اور نقصان پہنچانے کی غرض سے اُنہیں نہ روکو اور جو انہیں نقصان پہنچانے کی غرض سے روکے گا وہ اپنے پر ظلم کریگا +

دوسری بات کو جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے باطل کیا اور فرمایا کہ نکاح کا انعقاد اور طلاق ورجعت کا وقوع ہر حالت میں ہو جاتا ہے خواہ انسان دل سے اُن کا مرتکب ہو یا مذاق میں۔ مذاقاً اِن باتوں کو کرنا ایسا ہی ہے جیسے دل سے کرنا[۱] +

طلاق کے باب میں زمانہ جاہلیت کے بعض عربوں میں یہ بھی دستور تھا کہ جس طرح خاوند اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا اختیار رکھتے تھے۔ اسی طرح بیویاں بھی اپنے خاوندوں کو طلاق دینے کی مجاز تھیں۔ بیویوں کے اپنے خاوندوں کو طلاق دینے کا طریق یہ تھا کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اُسے طلاق دینا چاہتی تو جس خیمے میں وہ رہتی اس کے دروازے کو بدل دیتی۔ یعنی اگر خیمے کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو اُسے مغرب کی طرف۔ اور اگر مغرب کی طرف ہوتا تو اُسے مشرق کی طرف پھیر دیتی۔ اسی طرح اگر خیمے کا رُخ جنوب کی طرف

[۱] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ +

ہوتا تو اُسے شمال کی طرف اور شمال کی طرف ہوتا تو اسے جنوب کی طرف بدل دیتی اُس کے ایسا کرنے سے اُس کے خاوند پر طلاق پڑ جاتی - اور خاوند جب خیمے کا رخ بدلا ہوا دیکھتا تو سمجھ جاتا کہ اُس کی بیوی نے اُسے طلاق دیدی[۱] - پھر اُس کے پاس نہ جاتا اور دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے *

خلع

جاہلیت میں عورتیں خلع بھی کراتی تھیں - خلع کے یہ معنی ہیں کہ عورت شوہر کو کچھ مال دیکر اُس سے اپنا پیچھا چھڑا لیتی تھی - یہ بھی ایک قسم کی طلاق ہی تھی - اس میں اور طلاق میں فقط یہ فرق ہے کہ طلاق شوہر خود اپنی مرضی سے دیتا ہے - اور خلع میں مال کی عوض عورت اس سے طلاق مانگتی ہے - خلع کا موجد عامر بن ظرب ہے - جس کا مختصر حال یہ ہے کہ عامر بن ظرب نے اپنی بیٹی اپنے بھتیجے عامر بن حارث بن ظرب سے بیاہ دی تھی - نکاح کے بعد جب دُلھن دُولھا کے پاس بھیجی گئی - تو دلھن کو دولھا کی صورت دیکھکر اس سے نفرت پیدا ہوگئی - اس نے اس کا ذکر اپنے باپ سے کیا - باپ نے کہا کہ اگر تو اس سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے - تو وہ مال جو اس نے تجھے مہر میں دیا ہے اسے واپس کر دے - یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ تیرے شوہر سے بھی تجھے چھڑا دوں اور اس کا مال بھی تیرے پاس رہے - پھر اس کے شوہر سے کہا کہ جو مال تو نے اُسے دیا تھا - وہ میں اس سے واپس کرائے دیتا ہوں تو اُسے چھوڑ دے - یہ سب سے پہلا خلع ہے جو عرب میں واقع ہوا[۲] *

عِدّت

جاہلیت میں طلاق اور موت کی عدت بھی مقرر تھی - مطلقہ کی عدّت کی تعداد ہم کو معلوم نہیں ہوئی - لیکن وفات کی عدت ایک سال تھی - جب کسی عورت کا

[۱] صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب مؤلفہ نوفل آفندی صفحہ ۶۵ مطبوعہ بیروت * [۲] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲

شوہر مرجاتا تو وہ ایک چھوٹے سے تنگ گھر میں جس کی چھت نیچی ہوتی۔ نہایت خراب اور میلے کچیلے کپڑے پہن کر بیٹھ جاتی۔ سال بھر تک اس میں بیٹھی رہتی۔ اِس عرصہ میں۔ نہ نہاتی۔ نہ کپڑے بدلتی۔ نہ ناخن کاٹتی۔ نہ خوشبو لگاتی۔ غرض زینت اور آرایش کی کسی بات کے پاس نہ پھٹکتی۔ جب پورا سال گزر جاتا اُسوقت اُس کے پاس کوئی جانور گدھا یا بکری۔ یا کوئی پرند لایا جاتا۔ اس کے ساتھ وہ اپنی عِدّت توڑتی۔ یعنی اُس جانور یا پرند کے جسم کے کسی حصہ سے اپنی شرم گاہ رگڑتی اور اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتی۔ پھر بُری صورت سے باہر نکلتی۔ اور اس کے ہاتھ میں چند خشک مینگنیاں دی جاتیں جن کو وہ کسی کتے کے اوپر یا اپنے کندھے پر سے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتی۔ اور ایسا کرنے کے بعد عدت سے باہر ہو جاتی پھر خوشبو لگاتی۔ اور جن باتوں کی اُس کو ممانعت تھی وہ اس کو مباح ہو جاتیں اور اس کے بعد جس قسم کا بناؤ سنگار چاہتی کرتی۔ راوی کا بیان ہے کہ جب وہ پرند پر اپنی شرم گاہ رگڑ کر اس کو باہر پھینکتی تھی تو پرند مرجاتا تھا[۱]۔

قتل اور ضرب شدید کی سزا

جاہلیّت میں قتل اور ضرب شدید کی دو سزائیں مقرر تھیں۔ قصاص یا دیت ان دونوں سزاؤں میں قصاص مقدم سمجھا جاتا تھا۔ اول تو اس زمانہ میں عام طور پر یہ مقولہ رائج تھا کہ القتل انفیٰ للقتل یعنی قتل کو قتل ہی روک سکتا ہے۔ دوسرے مقتول کے اولیاء قاتل سے بغیر قصاص لئے باز نہیں رہتے تھے۔ اُن کے ہاں دیت کا قبول کرنا موجب ننگ و عار سمجھا جاتا تھا اور دیت کا کھانا مقتول کے خون کھانے کی برابر خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس بارہ میں شعراء جاہلیّت کے اشعار اُن کے

[۱] دیکھو مسلم شریف۔

دوادین میں بکثرت موجود ہیں۔ لیکن مجبوری کے وقت دِیت بھی قبول کرلی جاتی تھی۔ مثلاً قتل خطا میں بغیر دیت قبول کرنے کے چارہ نہ تھا۔ یا اگر خود مقتول اپنی عالی حوصلگی سے قاتل کو اپنا خون معاف کر دیتا تو اس صورت میں بھی حکام یا اولیاء مقتول قصاص پر زور نہیں دے سکتے تھے۔ ناچار دیت ہی قبول کرنی پڑتی تھی۔ قصاص میں تا امکان مساوات ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ یعنی جس کیفیت اور جس آلہ سے قاتل مقتول کو مارتا تھا۔ اُسی کیفیت اور اسی آلہ سے وہ اس کے قصاص میں قتل کیا جاتا تھا۔ جُروح یعنی ضرب شدید میں بھی مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ مجروح کا جو عضو بیکار ہو جاتا تھا وہی عضو جارح کا بیکار کیا جاتا تھا۔

دیت کی مقدار

قتل میں عامۃ الناس کی دیت کے سو اونٹ مقرر تھے۔ لیکن بادشاہ اس عام قانون سے مستثنیٰ تھے۔ ان کی دیت کے ہزار اونٹ تھے۔ اس قانون میں اگرچہ بادشاہوں کو عام رعایا پر فوقیت دی گئی تھی۔ لیکن تاہم اس کو خلاف انصاف نہیں کہہ سکتے۔ حق یہ ہے کہ بادشاہ کا خون عام رعایا کے خون کی برابر نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ بہت سی باتوں میں رعایا سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اگر رعایا میں اور ان میں کچھ بھی فرق نہ ہوتا تو خدا انہیں بادشاہ ہی کیوں بناتا۔

قسامت

قتل کے فیصلہ کا ایک طریق قسامت تھا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ جب قاتل معلوم نہ ہوتا۔ تو اُس محلہ یا گاؤں کے پچاس آدمیوں سے جہاں مقتول پایا جاتا۔ رُکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان اس بات پر قسم لیتے۔ کہ نہ ہم نے مقتول کو مارا۔ اور نہ ہمیں اُس کے قاتل کا حال معلوم ہے۔ اِسی طرح اگر کسی قبیلہ کے کسی ایک یا چند آدمیوں پر قتل کا شبہ ہوتا تو اس قبیلہ کے پچاس آدمیوں سے رُکن اور مقام

ابراہیم کے درمیان قسم لیتے کہ نہ ہم نے اُسے مارا۔ اور نہ ہمارے آدمی نے۔ اور نہ ہمیں اُس کے قاتل کا حال معلوم ہے۔ جب وہ پچاس آدمی اس بات پر قسم کھا جاتے تو اُنہیں مقتول کے قصاص اور خونبہا سے بری کردیا جاتا۔ یہ قسمیں نہایت سخت ہوتی تھیں۔ اور اس تجویز کے نکالنے والے ابوطالب تھے۔

جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک ہاشمی کو قریش کے کسی دوسرے قبیلہ کے ایک آدمی نے جس کا نام خِداش تھا۔ اپنے اونٹوں کی خدمت پر نوکر رکھا۔ اور اُونٹوں سمیت اُس کو اپنے ساتھ کہیں باہر لے گیا۔ وہ سفر میں اُس کے اونٹوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اونٹوں کو کھولنا۔ باندھنا سب اُسی کے ذمہ تھا۔ اتفاقاً ایک دن اثناء سفر میں اُس کے پاس سے قبیلہ بنی ہاشم کا ایک اَور شخص گزرا۔ جس کی گون کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے اُس سے بڑی منّت وسماجت سے کہا۔ کہ میرے حال پر اتنی مہربانی کرو کہ مجھے ایک اونٹ کا پیکھڑا دیدو۔ تاکہ میں اُس سے اپنی گون سی لوں۔ اُس نے اس کو ایک اونٹ کا پیکھڑا دیدیا۔ جس سے اس نے اپنی گون سی لی۔ اور وہ اپنا کام پورا کرکے وہاں سے روانہ ہوگیا۔ جب رات ہوئی اور خِداش اور اس کا نوکر کسی منزل پر ٹھہرے تو نوکر نے تمام اونٹوں کو باندھ دیا۔ لیکن ایک اونٹ کھلا رہا۔ خِداش نے اُس سے پوچھا کہ تو نے یہ اونٹ کیوں نہیں باندھا۔ اُس نے کہا کہ اس کا پیکھڑا نہیں ہے۔ خِداش نے کہا اس کا پیکھڑا کہاں گیا۔ اُس نے صاف صاف کہدیا کہ میرے پاس بنی ہاشم میں سے ایک آدمی گزرا تھا۔ جس کی گون کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا۔ اُس نے مجھ سے ایک پیکھڑے کا سوال کیا تھا۔ میں نے اُسے پیکھڑا دیدیا۔ اِس پر مالک نے اُس کے ایک لاٹھی رسید کی۔ جس کے صدمہ سے وہ چند گھنٹے یا ایک دو دن کے بعد مرگیا۔ مرنے سے پیشتر ایک یمنی آدمی اس کے پاس سے گزرا۔ اس نے اُس سے پوچھا کہ تو حج کو جایا کرتا ہے؟

یمنی نے کہا کہ اب تو میں نہیں جاتا لیکن بہت دفعہ گیا ہوں۔ اس نے کہا تو تو اپنی عمر بھر میں میرا ایک پیغام پہنچا سکتا ہے؟ یمنی نے کہا کیوں نہیں۔ میں تیرا پیغام ضرور پہنچا دونگا۔ اس نے اس کو یہ وصیت نامہ لکھدیا کہ جب تو حج میں جائے۔ تو بلند آواز سے قُریش قُریش کہہ کر پکارنا۔ جب قریش تیرے پاس جمع ہو جائیں۔ اور تجھے جواب دیں تو پھر بنی ہاشم کو پکارنا۔ جب وہ تجھے جواب دیں تو تو ابوطالب کو پوچھنا۔ جب تجھے ابوطالب کا پتا چل جائے تو میری طرف سے اُس سے کہنا کہ مجھے فلاں شخص نے پیکھڑے کی وجہ سے قتل کر دیا ہے۔ غرض یمنی کو یہ وصیت کر کے وہ نوکر مر گیا۔ جب اُس کا آقا مکے واپس آیا تو ابوطالب اس سے ملنے گئے اور پوچھا کہ ہمارا آدمی کیا ہوا۔ اس نے کہا وہ بیمار ہو گیا تھا۔ میں نے اُس کی بہت خدمت کی لیکن اسے شفا نہ ہوئی۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اُسے دفن کر دیا۔ ابوطالب نے کہا۔ تم اسی لایق تھے۔ غرض بنی ہاشم نے اس کے قول کی تصدیق کی۔ اور انہیں اس کی طرف یہ گمان نہ ہوا۔ کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ پھر ایک مدت کے بعد وہ یمنی شخص جس سے اس نے اپنا پیغام پہنچانے کی وصیت کی تھی حج میں آیا۔ اس نے وصیت کے مطابق یا قریش یا قریش کہکر پکارا۔ قریش نے کہا کہ ہم قریش ہیں کہہ کیا کہتا ہے۔ اس نے بنی ہاشم کو پکارا بنی ہاشم نے کہا کہ ہم بنی ہاشم ہیں۔ کہہ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا تم میں ابوطالب کون ہے۔ لوگوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ابوطالب ہیں۔ اس نے کہا مجھے فلاں شخص نے وصیت کی تھی کہ میں آپ کو یہ پیغام پہنچا دوں۔ کہ اُس کو فلاں شخص نے پیکھڑے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہ سُنکر ابوطالب خِداش کے پاس گئے اور اس سے کہا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تو نے ہمارے فلاں آدمی کو قتل کیا ہے۔ سو ہم تجھ پر تین باتیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے تو کوئی سی ایک بات اختیار کر لے۔ اگر تو چاہے

دینا پسند کرے تو ہمیں اس کی دیت کے سو اونٹ دیدے - کیونکہ تو نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے - ورنہ تیری قوم کے پچاس آدمی اس بات پر حلف اٹھالیں کہ تو نے اُسے قتل نہیں کیا - اگر ان دونوں باتوں سے تو انکار کرے گا تو تیسری بات یہ ہے کہ ہم اس کے قصاص میں تجھے قتل کر دینگے - اُس نے اس کا ذکر اپنی قوم کے لوگوں سے کیا - انہوں نے کہا کہ تو کچھ اندیشہ نہ کر - ہم قسم کھائے لیتے ہیں - جب وہ قسم کھانے پر مستعد ہو گئے تو ابوطالب کے پاس بنی ہاشم میں کی ایک عورت آئی - جو اُس دوسرے قبیلے کے ایک آدمی عبدالعزیٰ بن ابی قیس عامری سے بیاہی گئی تھی اس کے بطن سے عبدالعزیٰ کے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا - جس کا نام حویطب تھا - اس عورت نے ابوطالب سے کہا کہ اے ابوطالب میں چاہتی ہوں کہ تم ان پچاس آدمیوں میں سے میرے اس بیٹے پر مہربانی کرو - اور رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان جہاں اَور لوگوں سے قسمیں لیجاتی ہیں - اس سے قسم نہ لو - ابوطالب نے اس کی درخواست منظور کرلی - اور اسے قسم کھانے سے بری کر دیا پھر ابوطالب کے پاس اس قبیلہ کا ایک اَور آدمی آیا اور کہا کہ اے ابوطالب آپ نے سو اونٹوں کی جگہ پچاس آدمیوں کو قسم کھلانے کا ارادہ کیا ہے سو اس حساب سے ہر قسم کے بدلے دو اونٹ ہوئے - لہٰذا یہ دو اونٹ موجود ہیں - انہیں میری طرف سے قبول کیجئے - اور مجھے قسم سے بری کیجئے - ابوطالب نے اس کی طرف سے وہ دو اونٹ قبول کر لئے اور اُسے بھی قسم سے بری کر دیا - اور اڑتالیس آدمیوں نے رکن اور مقام کے درمیان یہ قسم کھائی کہ خداش مقتول کے خون سے بری ہیں ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ بخدا پورا ایک سال گذرنے نہیں پایا تھا کہ ان اڑتالیس آدمیوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہا - سال کے اندر اندر سب مر گئے[1]

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب

زنا۔ چوری۔ اور رہزنی کی سزا

جاہلیت میں چوری کی سزا چور کا دہنا ہاتھ کاٹنا تھی۔ رہزنوں کو یمن اور حیرہ کے بادشاہ سولی دیتے تھے۔ زانی مُحصَن اور زانیہ مُحصنہ یعنی بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی ہوئی عورت کو زنا کی سزا میں سنگسار کیا جاتا تھا۔ زنا کی سزا میں جاہلیت کے لوگ حد سے بڑھ گئے تھے۔ بعض اوقات جانوروں کو بھی زنا کی سزا میں سنگسار کر دیتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جاہلیت میں ہم نے ایک بندر کو ایک بندری سے جفتی کرتے دیکھا۔ لوگوں نے گڑھا کھود کر اُن دونوں کو سنگسار کیا۔ اِن کے سنگسار کرنے میں مَیں بھی اُن کے ساتھ شریک تھا[۱]۔

یہ اہل جاہلیت کی کمال حماقت و سفاہت تھی۔ وہ اتنا نہیں جانتے تھے کہ جانور جو کسی قسم کی عقل و تمیز نہیں رکھتے غیر مکلف ہیں۔ اور اُن میں زنا تحقق ہی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اِس سے اِس بات کا پتا بخوبی چلتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ زنا کو نہایت قبیح خیال کرتے تھے۔

میراث

جاہلیت میں میت کے ترکے کی مالک اُس کی وہ اولاد ذکور ہوتی تھی۔ جو دشمن کا مقابلہ کرسکتی تھی۔ عورتیں۔ لڑکیاں۔ اور نابالغ لڑکے جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ میراث سے محروم رہتے تھے[۲]۔

جاہلیت میں تبنیت کی رسم بھی شائع تھی۔ تبنی لڑکا اپنے والدین کی جائداد کا ویسا ہی حقدار اور وارث خیال کیا جاتا تھا جیسا صلبی بیٹا۔ اور اس کی بیوی سگے

---

[۱] بخاری شریف [۲] تفسیر ابن جریر ص۱۷۱ جلد ۴

بیٹے کی بیوی کی طرح اُس کے باپ پر حرام تھی +

خنثی جاہلیت میں خنثی کے مسایل وہی تھے ۔ جواب اسلام میں ہیں۔ خنثی کے بارہ میں وہ لوگ مبال کا اعتبار کرتے تھے ۔ یعنی جس راہ سے اس کو پیشاب آتا تھا اسی کے مطابق اس کو مرد یا عورت قرار دیتے تھے +

عام عادات

اہل جاہلیت اگرچہ فی الجملہ میتہ کی حرمت کے قائل تھے ۔ لیکن معہذا ان میں میتہ کے کھانے کا رواج تھا۔ جس کی دو وجہ تھیں۔ اول یہ کہ وہ میتہ صرف اسی جانور کو جانتے تھے جو کسی بیماری سے مرا ہو۔ وہ جانور اُن کے نزدیک میتہ میں داخل نہیں تھا جو پہاڑ وغیرہ کسی اونچی جگہ سے گر کر مرجاتا۔ یا چوٹ کھاکر مرجاتا۔ یا اس کو کوئی دوسرا جانور اپنے سینگوں سے مار ڈالتا۔ یا اسکو کوئی درندہ پھاڑ کھاتا۔ یا وہ خود اس کو گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ۔ ایسے جانوروں کو وہ لوگ نہایت شوق سے کھاتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ مائدہ میں جہاں میتہ کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ وہاں صرف لفظ میتہ پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ میتہ کی جملہ اقسام کو بہ تفصیل بیان کیا ہے[۱] +

دوسرے یہ کہ وہ لوگ بحیرہ و سائبہ وغیرہ جانوروں کو جو بتوں کے نام پر چھوڑ دے جاتے تھے عام جانوروں کی طرح نہیں سمجھتے تھے ۔ اُن کا مرتبہ اُن کے نزدیک بہت بڑا تھا۔ اس سلئے وہ اُن کو جانوروں کو مرنے کے بعد بھی متبرک خیال کرتے تھے اور بطور تبرک کے ان کو کھاتے تھے +

سود خواری جاہلیت کے لوگ عموماً سود خوار تھے۔ وہ سادہ ہی سود نہیں لیتے تھے۔ بلکہ سود در سود لیتے تھے ۔ ان کے سود کی کیفیت یہ تھی۔ کہ ایک شخص دوسرے

---

[۱] تفسیر ابن جریر صفحہ ۲۳ جلد ۶ +

شخص کو ماہوار مقررہ شرح سود پر کچھ مدت کے لئے روپیہ قرض دیتا۔ جب وہ میعاد گزر جاتی تو قرض خواہ قرضدار سے کہتا کہ یا تو میرا روپیہ ادا کر دے۔ اور یا اصل کو بڑھا دے یعنی سود کو اصل میں شامل کر دے کہ آئندہ اس پر بھی سود لگتا رہے۔ اگر قرضدار روپیہ ادا نہ کر سکتا۔ تو وہ اسوقت تک کا تمام سود اصل میں شامل کر کے اصل کو بڑھا دیتا اور قرض خواہ۔ ایک اور میعاد مقرر کر دیتا۔ پھر اُس دوسری میعاد کے گزرنے پر بھی یوں ہی کرتا۔ اور جب تک قرضدار یکبارگی کل روپیہ ادا نہ کر دیتا۔ ہر مدت کے بعد سود اصل میں شامل ہوتا رہتا اور سود پر سود چڑھتا رہتا یہی وہ سود ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے[1] ؎

مے نوشی

جاہلیت میں شراب پینے کا عام رواج تھا۔ بخیل سے بخیل اور کنجوس سے کنجوس بھی شراب پیتا تھا اور اس میں اپنا مال بیدریغ لٹاتا تھا۔ اور اپنی مے نوشی پر ان کو فخر تھا۔ عمرو بن کلثوم اپنے معلقہ میں کہتا ہے ؎

ترى اللحز الشحيح اذا اُمرت عليه لماله فيها مهينا	یعنی تو صد درجہ کے بخیل اور کنجوس کو بھی جب اس پر شراب کا دور چلتا ہے۔ اپنے مال کو بیدریغ لٹاتے دیکھے گا ؎

سبرہ بن عمرو فقعسی کہتا ہے۔ ؎

نحابى بها اكفاءنا ونهينها ونشرب فى اثمانها ونقامر	ہم اپنے اونٹ اپنے برادروں اور بھائی بندوں کو بخشتے ہیں۔ اور مہمانوں کے لئے ذبح کرتے ہیں اور انکی قیمتوں سے شراب اڑاتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں ؎

شراب پلانے والی عموماً خوبصورت اور مہ جبین عورتیں ہوتی تھیں۔ جو اُن کے دہنے ہاتھ پر ہوتا تھا۔ پہلے اُس کو پلاتی تھیں۔ پھر اس کے بعد اس سے دہنے

[1] دیکھو تفسیر کبیر ؎

کو اور اس کے بعد اس سے دہنے کو۔ عمرو بن کلثوم اپنے معلقہ میں کہتا ہے ؎

صبنت الکاس عنا ام عمرو وکان الکاس مجراها الیمینا	اے ام عمرو تو نے ہم سے پیالہ روک لیا۔ حال آنکہ پیالہ دہنی جانب کو پھرنا چاہیئے تھا ۔

باوجود اس بات کے کہ شراب اہل جاہلیت کی نہایت محبوب اور مرغوب طبع تھی۔ اسکے متعلق دو باتیں ان کے ہاں نہایت قابل تعریف تھیں۔ ایک یہ کہ اگر ان کا کوئی عزیز مارا جاتا تو اس کا قصاص لینے تک شراب اپنے اوپر حرام کر لیتے۔ جب تک اُس کا قصاص نہ لے لیتے۔ اس وقت تک شراب کے پاس نہ پھٹکتے اور اس کو قطعی حرام جانتے۔ شنفری اپنے ماموں تابط شرؔا کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

فادرکنا الثار فیهم ولما ینج من لحیان الا الاقل حلت الخمر وکانت حراما وبلائی ما المت تحل	ہم نے ان سے اپنے ماموں کا قصاص اور بدلا لے لیا اور بنی لحیان میں سے چند ہی آدمی زندہ بچے۔ شراب حلال ہو گئی حالانکہ وہ پہلے حرام تھی اور حلال ہو کر بعد ایک مدت دراز کے میرے

پاس آئی ۔

دوسرے یہ کہ عورتیں مطلقاً شراب کے پاس نہیں پھٹکتی تھیں۔ جاہلیت کے لوگ اپنی عورتوں کو شراب پینے کی سخت ممانعت کرتے تھے۔ اور ان کے شراب پینے کو نہایت معیوب جانتے تھے۔ حتیٰ کہ صفحات تاریخ میں جاہلیت کی عورتوں میں سے کوئی ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جاتی جو کبھی شراب پی کر مست ہوئی ہو۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قوم عرب عورتوں کے بارہ میں نہایت غیور تھی۔ اور جو خرابیاں مردوں میں تھیں عورتیں اُن سے محفوظ تھیں ۔

بیوع جاہلیت میں چار قسم کی بیوع رائج تھیں۔ حبل الحبلہ۔ منابذت۔ ملامست

اور بیع حصاۃ +

حبل الحبلہ کی یہ صورت تھی کہ مشتری بایع سے کوئی چیز خریدتا۔ اور ادائے ثمن کی میعاد اُس اونٹنی کے بچّہ جننے کے وقت کو قرار دیتا جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتی یعنی بایع سے کہتا کہ میں مبیع کی قیمت اُسوقت دونگا۔ جب میری اس اونٹنی سے جو اسوقت حاملہ ہے مادہ پیدا ہو اور وہ بڑی ہوکر بچہ جنے

منابذت کی یہ صورت تھی کہ بایع مشتری کی طرف کوئی شے جسے وہ بیچنا چاہتا تھا پھینکدیتا تھا۔ اور ایسا کرنے سے بیع واجب ہو جاتی تھی۔ اس میں مشتری کی رضامندی کی ضرورت نہ تھی۔ اس صورت میں قیمت وہ دینی پڑتی تھی جو اس شے پر لکھی ہوئی ہوتی تھی۔ یا جو بایع مانگتا تھا۔ ملامست اور بیع حصاۃ کی تفسیر آگے آتی ہے +

جاہلیّت میں یہ بھی رواج تھا کہ جو اولاد باندی کے بطن سے پیدا ہوتی تھی۔ باپ اس کو اپنا غلام بنا لیتا تھا۔ اور اس کے ساتھ غلاموں کا سا برتاؤ کرتا تھا۔ اس کے وہ حقوق نہیں سمجھے جاتے تھے۔ جو بیٹوں کے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کے باندی کے بطن سے نجیب اور بہادر بیٹا پیدا ہوتا تو باپ اس کو اپنی طرف منسوب کرتا اور اس کو اپنا بیٹا بنا لیتا۔ ورنہ وہ غلام رہتا۔ چنانچہ نامور اور مشہور شاعر عنترہ کو جو حبشی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ نے اپنا غلام بنا لیا تھا۔ جب عنترہ نے اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھلائے تو اس کے باپ نے اس کو آزاد کردیا اور اس روز سے اسکو اپنا بیٹا کہنے لگا +

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کردیتا تھا تو بھی ان غلاموں سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ ان غلاموں کو بیچ دینے کا مجاز تھا +

جاہلیّت میں یہ بھی رواج تھا کہ ہر شخص گو وہ اجنبی ہی ہوتا بغیر اجازت

دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہو جاتا۔ اندر آنے سے پہلے اندر آنے کی اجازت طلب کرنی کچھ ضرور نہ تھی ۔

جاہلیّت کی رسوم میں سے ایک رسم منافرت ومفاخرت ہے۔ اہل جاہلیّت مال ودولت۔ علم وفضل۔ جودوسخا۔ حلم وعفو۔ اور شرافت نسبی وغیرہ امور میں ایک دوسرے پر بڑائی مارتے تھے اور فخر کرتے تھے۔ اکثر اوقات قبروں پر جاتے اور کہتے کہ دیکھو یہ قبر ہمارے فلاں بزرگ کی ہے تمہارے خاندان میں بھی کوئی ایسا بزرگ گزرا ہے ۔

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ساتھ ہوتی تھیں اور ہر طرح ان کی مدد کرتی تھیں۔ جب اُن کے شوہر لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں۔ آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔ اے ہمارے جری اور بہادر خاوندو۔ اگر تم آگے بڑھنے میں کوتاہی کرو گے اور ہم کو دشمن سے نہ بچاؤ گے تو ہم تمہاری بیویاں نہ رہیں گی ۔

عورتیں کسی جانور کا دُودھ نہیں دُہتی تھیں۔ اگر کبھی کسی خاندان کی کوئی عورت دُودھ دُہتے دیکھی جاتی تھی تو تمام لوگ اس خاندان کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں حقیر ہو جاتا تھا ۔

عرب جاہلیت کی عورتوں کا عام دستور تھا کہ اپنی جلد گودھواتی تھیں طریق یہ تھا کہ سوئی یا لوہے کے کسی آلہ سے جلد گودھ کر خون بہاتیں۔ پھر اُس میں نیل وغیرہ بھر دیتیں۔ جس سے وہ جگہ سبز ہو جاتی۔ یہ گودھنا سادے طور پر نہ تھا۔ بلکہ جس جگہ گودھتی تھیں وہاں انواع واقسام کے نقوش اور حیوانات کی تصویریں بناتی تھیں۔ اس سے اُن کا مقصود بدن کو زینت دینا تھا۔ گودھنا نہ صرف ایک ہی جگہ تھا بلکہ بدن کا اکثر حصہ گودھواتی تھیں۔ خصوصاً ایلیوں کو تو ضرور ہی گودھواتی

تھیں۔ چنانچہ عرب کی اکثر عورتوں کے لب نیلے نظر آتے تھے اور یہ اُن کے نزدیک کمال حسن میں داخل تھا۔ مرد بھی بدن کے بعض خاص خاص مواضع گودواتے تھے۔ لیکن زینت اور خوبصورتی کی غرض سے نہیں۔ بلکہ اُن کا یہ خیال تھا کہ جس جوڑ کو گودوایا جاتا ہے اُس میں قوت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ لڑکے بھی خوبصورتی کی غرض سے اپنا چہرہ گودواتے تھے۔ گودوانے کو عربی میں وشم کہتے ہیں۔ حدیثوں میں اس فعل کی بڑی قباحت وشناعت آئی ہے۔ سرور عالم فخر دوجہان فرماتے ہیں۔ لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ۔ یعنی خدا ان عورتوں پر لعنت کرے جو زینت اور خوبصورتی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جلد گودتی ہیں یا دوسری عورتوں سے گودوالی ہیں یا موچنے سے اپنی بھووں کے اطراف کے بال اُکھاڑ کر ان کو باریک اور مساوی بناتی ہیں۔ اور سوہان سے اپنے دانتوں کو گھس کر اُن کو چھیدا کرتی۔ اور اپنے ان افعال سے اللہ کی پیدائش کو بدلنا چاہتی ہیں ؀

یہ بھی دستور تھا کہ عورتیں مصنوعی بال اپنے سر پر لگایا کرتی تھیں۔ شریعت اسلام نے اس فعل کو بھی حرام کیا۔ اور واصلہ اور مستوصلہ یعنی مصنوعی بال لگانیوالی اور مصنوعی بال لگوانے والی عورتوں کو ملعون قرار دیا ؀

پینٹھیں

جاہلیت میں مختلف مقامات پر سال میں بارہ پینٹھیں لگتی تھیں۔ جن میں ہر درجہ اور طبقہ کے لوگ جاتے تھے اور اپنے اپنے مناقب ومفاخر بیان کرتے تھے۔ ان پینٹھوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) دومۃ الجندل ۔ یہ ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہاں ربیع الاول کی پہلی تاریخ

سے پندرہ ربیع الاول تک پنیٹھ لگتی تھی - اس پنیٹھ میں خرید و فروخت اور لین دین کے لئے آدمی جمع ہوتے تھے - یہاں جو بیع کی جاتی تھی وہ بیع حصاۃ تھی - اس بیع کی چند قسمیں تھیں - ایک یہ کہ بایع مشتری سے کہتا کہ اس کنکری کو پھینک جس تھان پر گرے گی وہ ایک درہم کے عوض تیرا ہو چکا - دوسری صورت یہ تھی - کہ مشتری اپنی مٹھی میں کنکریاں بھرتا اور بایع سے کہتا کہ جتنی کنکریاں میری مٹھی میں نکلیں اتنے ہی عدد شے مبیعہ کے مجھے اس قیمت میں ملجائیں - یا بایع کسی چیز کو بیچتا اور اپنی مٹھی میں کنکریاں بھر لیتا اور کہتا کہ اس کی قیمت اُتنے درہم ہیں جتنی میری مٹھی میں کنکریاں ہیں - تیسری صورت یہ تھی کہ بایع یا مشتری اپنے ہاتھ میں کنکری لے لیتا اور کہتا کہ جسوقت یہ کنکری میرے ہاتھ سے گر جائے گی - اس وقت بیع واجب ہو جائیگی چوتھی صورت یہ تھی کہ بایع مشتری سے یا مشتری بایع سے کہتا کہ جب میں تیری طرف کنکری پھینک دوں تو بیع واجب ہو جائے گی - پانچویں صورت یہ تھی کہ بایع بیچنے کے لئے بکریوں کا ریوڑ لاتا اور ایک کنکری اٹھا کر مارتا اور مشتری سے کہتا کہ جس بکری پر کنکری پڑے گی وہ اتنے کو دیجائے گی - چھٹی صورت یہ تھی کہ بایع اپنی اُتنی زمین بیچتا جہاں تک پھینکنے سے کنکری پہنچتی - جاہلیت میں یہ سب صورتیں جوے کے مشابہ ہیں رائج تھیں اسلام نے ان سب کو مٹا دیا - اکیدر دومۃ الجندل کا رئیس اس پنیٹھ کا منتظم ہوتا تھا +

(۲) سوق ہجر - ہجر بحرین کا نام ہے - یہاں اخیر ربیع الثانی میں پنیٹھ لگتی تھی اور منذر بن ساوی اس کا منتظم ہوتا تھا +

(۳) سوق عمان - عمان بھی بحرین کے قریب ہے - ہجر کی پنیٹھ کر کے لوگ اس پنیٹھ میں جاتے تھے - یہ پنیٹھ اخیر جمادی الاولی تک لگی رہتی تھی +

(۴) سوق مشقر - یہ بحرین میں ایک قلعہ ہے - یہ پنیٹھ جمادی الثانی کی پہلی تاریخ

سے لگتی تھی۔ اِس پینٹھ میں بیع ملامست کی جاتی تھی اور اس کی تین صورتیں تھیں ایک یہ کہ بایع مشتری کے پاس اندھیرے میں لپٹا ہوا تھان لاتا۔ خریدار اُس کو ہاتھ سے چھوتا۔ اور تھان والا اس سے کہتا کہ میں نے تجھے یہ تھان اتنے کو بیچ دیا لیکن شرط یہ ہے کہ کپڑا دیکھنے کے بعد واپسی کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ تیرا چھونا تیرے دیکھنے کے قائم مقام ہے +

دوسری صورت یہ تھی کہ مشتری جس کپڑے کو چھو دیتا۔ اس کے چھونے سے وہ کپڑا بک جاتا اور مشتری کی ملک ہو جاتا۔ تیسری صورت یہ تھی کہ بایع مشتری کپڑا چھونے کو خیار مجلس کے جاتے رہنے کے لئے شرط ٹھیراتے۔ اسلام نے ملامست کی ہر صورت کو باطل قرار دیا +

(۴) **سوق صحار**۔ یہ پینٹھ رجب کی دسویں تاریخ لگتی تھی اور پانچ دن تک لگی رہتی تھی +

(۵) **سوق شحر**۔ شحر عمان اور عدن کے درمیان سمندر کے کنارے پر ایک جگہ ہے یہاں پندرہ شعبان کو پینٹھ لگتی تھی۔ اور اس پینٹھ میں بھی دومۃ الجندل کی طرح بیع حصاۃ ہوتی تھی +

(۶) **سوق عدن ابین**۔ عدن ابین یمن میں ایک جزیرہ ہے شحر کی پینٹھ کر کے لوگ یہاں جمع ہوتے تھے اور رمضان تک یہ پینٹھ لگی رہتی تھی۔ اور یہاں سے لوگ خوشبوئیں خریدتے تھے +

(۷) **سوق صنعاء**۔ شحر اور عدن کی پینٹھ کے بعد یہ پینٹھ لگتی تھی اور پندرہ رمضان سے اخیر رمضان تک لگی رہتی تھی۔ یہاں سے لوگ یمنی چادریں خریدتے تھے +

(۸) **سوق حضرموت**۔ پندرہ ذیقعد کو حضرموت میں پینٹھ لگتی تھی۔ اس پینٹھ میں عرب کے بعض قبائل جاتے تھے۔ اور بعض دوسری پینٹھ میں جاتے تھے۔ جو

اِنہیں ایام میں لگتی تھی +

(۹) سوق ذی المجاز۔ عرفات کی ایک جانب یہ پینٹھ لگتی تھی +

(۱۰) سوق مجنّہ۔ مکّے کے قریب ایک جگہ ہے۔ موسم حج کے قریب یہ پینٹھ لگتی تھی اور اس میں اکثر قبایل جاتے تھے +

(۱۱) سوق حُباشہ۔ حباشہ ایک جگہ ہے یہاں ماہ رجب میں ایک پینٹھ لگتی تھی +

(۱۲) سوق عکاظ۔ یہاں سب سے بڑی پینٹھ لگتی تھی۔ یہ ایک مذہبی میلہ تھا۔ اور یہاں پر چند پتھر تھے جن کے گرد لوگ طواف کرتے تھے۔ اس میں خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ اور بڑے بڑے اہل کمال جمع ہو کر اپنے مفاخر اور مناقب بیان کرتے اور اشعار و قصاید پڑھتے۔ اور بلغاء اور لکچرار لکچر دیتے اور تقریریں کرتے اسی پینٹھ میں قصاید معلقہ لٹکائے گئے تھے۔ جن کی فصاحت پر ان کے مصنفین کو فخر تھا۔ اس بازار میں قریش۔ ہوازن۔ سلیم۔ احابیش عقیل۔ مصطلق وغیرہ تمام قبایل حاضر ہوتے تھے۔ جس کا کوئی آدمی قید ہو جاتا وہ اُس کو اس بازار سے فدیہ دیکر قید سے چھڑاتا۔ اور جو کسی عہدے یا حکومت کا طالب ہوتا وہ حکّام بالادست اور روساء قوم سے حکومت چاہتا۔ اس بازار میں جو لوگ دوسرے لوگوں کو عہدے اور حکومت دیتے تھے۔ وہ بنی تمیم کے چند آدمی تھے جن میں ایک اقرع بن حابس تھا۔ یہ میلہ ذیقعد کی پہلی تاریخ سے بیس تاریخ تک لگا رہتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مکے جا کر احکام حج میں مشغول ہو جاتے۔ پھر حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن کو لوٹتے +

یہ تمام پینٹھیں زمانہ اسلام میں بھی ایک مدت تک لگتی رہیں اس کے بعد رفتہ رفتہ موقوف ہو گئیں۔ سب سے پہلے سن ایک سو انیس [۱۱۹] میں پینٹھ عکاظ موقوف ہوئی جس کا سبب خوارج کی لوٹ مار ہوئی۔ اور سب سے اخیر میں سن ایک سو ستانوے

میں داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کے عہد حکومت میں حُباشہ کی پینٹھ موقوف ہوئی +

میّت کی رسمیں

غسل میت

جاہلیّت میں مردہ کی تجہیز و تکفین نہایت عمدہ طور پر کرتے تھے ۔ اوّل میّت کو غسل دیتے پھر اس کو کفنا کر ایک تخت پر اُس کا جنازہ اٹھاتے اور قبر پر لیجاتے غسل کا ذکر افوہ ازدی نے اپنے اس شعر میں کیا ہے ۵ ۔

وجاءوا بماء بارد یغسلوننی	میرے مرنے کے بعد لوگ میرے پاس ٹھنڈا
فیالکِ من غسل ستیبعہ غبر	پانی لائیں گے اور اُس سے مجھے غسل دیں گے

سو کاش اے غسل تیرے پیچھے شراب بھی ہو +

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ مردہ کو ٹھنڈے پانی سے نہلاتے تھے +

میت کو قبر پر لیجانے کی رسم

میّت کے قبر پر لے جانے کا طریق یہ تھا کہ جب خاندان میں میّت ہو جاتی ۔ اُس خاندان کی تمام عورتیں اپنے سر کے بال کھول ڈالتیں اور اُن پر راکھ مل لیتیں جب جنازہ تیار ہو جاتا تو نوحہ گر عورتیں جن کا پیشہ اُجرت پر نوحہ کرنا ہوتا تھا ۔ اُجرت پر بلائی جاتیں ۔ پھر جنازہ اٹھایا جاتا ۔ میّت کے عزیز و اقارب اور وہ لوگ جن کو میّت سے خصوصیّت ہوتی ۔ ننگے پاؤں اُس کے پیچھے پیچھے چلتے ۔ میت کے خاندان کی عورتیں اور وہ نوحہ گر عورتیں جو اُجرت پر لیجاتی تھیں اُس کے ساتھ ہوتیں اور اُس کے محاسن اور خوبیاں بیان کر کر اس پر اظہار حزن و ملال ۔ اور افسوس کرتی جاتیں ۵ +

۵ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب مؤلفہ نوفل آفندی صا۱۷ مطبوعہ بیروت +

جاہلیت کے لوگوں کو میت کی تعظیم کا از حد خیال تھا۔ جب کسی مجمع کے سامنے سے کوئی جنازہ گزرتا تھا تو اس مجمع کے تمام آدمی مردہ کی تعظیم اور اس پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے سر وقد اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جنازہ کیلئے قیام

نماز جنازہ جب جنازہ قبر پر پہنچا تو اُس پر نماز پڑھتے۔ جس کا طریق یہ تھا کہ میت کا ولی امام کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو کر اس کے تمام محاسن بیان کرتا اور اس کی تعریف کرتا۔ پھر اس کو اپنے ہاتھ سے دفن کرتا۔ اور دفن کے بعد کہتا علیک رحمۃ اللہ یعنی تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ جاہلیت کا ایک شخص اپنے پوتے کو مخاطب کر کے کہتا ہے[۱]

أعمرو ان هلكت وكنت حيًّا	اے عمرو اگر تو مر گیا اور میں زندہ رہا تو میں
فانى مكثر لك من صلواتى	تجھ پر کثرت سے نماز پڑھونگا[۱]۔

میت کے دفن سے پہلے میت کے ہمراہیوں میں سے کوئی شخص کھانا نہ کھاتا۔ جب اُس کے دفن سے فارغ ہو کر گھر واپس آتے۔ اسوقت بھتی کا کھانا لایا جاتا۔ اور وہ سب آدمی جو میت میں شریک ہوتے کھاتے[۲]۔

میت کی خبر دینا جاہلیت میں جب کوئی رئیس یا بڑا شخص مرجاتا تو ایک سوار گھوڑے پر سوار ہو کر تمام بستی میں گھومتا اور لوگوں سے یہ کہتا پھرتا نعاءِ فلاناً۔ یعنی میں فلاں شخص کے مرنے کی خبر دیتا ہوں۔ اس رسم کا ذکر اصمعی نے کیا ہے۔ سارے عرب میں یہ رسم جاری تھی۔ شعراے عرب کے کلام میں اس کا ذکر کثرت سے پایا جاتا ہے۔

میت کیلئے دعا عرب جاہلیت کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص مرجاتا اس کو لا یبعد کہتے یعنی خدا اُسے ہلاک نہ کرے یہ ان کے یہاں میت کے لئے دعا تھی۔ قال الخرنق[۱]

[۱] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب مولفہ نوفل آفندی ص۲۸ مطبوعہ بیروت۔

لا یبعدان قومی الذین ہم سم العداة وآفة الجزر النازلین بکل معترك والطیبون معاقد الازر	خدا میری قوم کے لوگوں کو جو دشمنوں کے حق میں زہر قاتل اور اونٹوں کے لئے آفت تھے۔ یعنی انہیں ذبح کر کے مہمانوں کو کھلاتے تھے ہلاک نہ کرے۔ وہ لڑائی کے ہر معرکہ میں جاتے تھے۔

اور اُن کی آزار باندھنے کی جگہ پاک وصاف تھیں یعنی وہ زانی اور بدکار نہ تھے +

قال الفرار السلمی ؎

ما کان ینفعنی مقال نسائہم وقتلت دون رجالھا لا تبعد	مجھے اُن کی عورتوں کا یہ کہنا کہ خدا کرے کہ تو ہلاک نہ ہو کیا نفع پہنچا سکتا ہے۔ جبکہ میں ان کے

مردوں کے سامنے مارا جاؤں +

کتاب اللُّب میں ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ میت کو دعا دیتے وقت اس کلمہ کا استعمال کرتے تھے۔ اِس سے اُن کی دو غرضیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ اس سے بڑے شخص کی موت کی عظمت ظاہر کرتے تھے۔ گویا وہ اس کی میت کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔ یہ معنی زہیر بن ابی سلمی نے اپنے ان اشعار میں بیان کئے ہیں ؎

یقولون حصن ثم تابی نفوسہم وکیف بحصن والجبال جنوح ولم تلفظ الموتی القبور ولم تزل نجوم السماء والادیم صحیح	لوگ کہتے ہیں کہ حصن مرگیا پھر ان کے دل اس سے انکار کرتے ہیں اور حصن کیونکر مر سکتا ہے۔ جبکہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور قبروں نے مردوں کو نہیں نکالا اور ستارے بدستور اپنی حالت پر

ہیں اور زمین میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی +

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ حصن مرگیا پھر اس کہنے کو بڑی بھاری بات جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ کیونکر مر سکتا ہے جبکہ ابھی تک پہاڑ ریزہ ریزہ نہیں ہوئے

اور ستارے بے نور نہیں ہوئے اور قبروں نے اپنے مُردوں کو باہر نہیں نکالا اور نظام عالم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یعنی وہ تو قیامت ہی کو مرے گا۔ قیامت سے پہلے کیونکر مر گیا ✦

دوسری غرض یہ تھی کہ وہ میّت کو اس کی زندگی کی دعا دیتے تھے۔ اور مقصود یہ ہوتا تھا کہ اس کا نام زندہ رہے۔ کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد اُس کے نام کا زندہ رہنا بمنزلہ اُس کی حیات کے ہے ✦

بلیّہ عرب جاہلیّت میں ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی سخی یا نامور آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر ایک اونٹنی باندھ دیتے۔ پھر اُسے نہ کھانا دیتے نہ پانی یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر جاتی۔ باندھنے کا یہ طریق تھا کہ قبر کے پاس ایک گڑھا کھود اس میں چھوڑ دیتے اور اس کی گردن مروڑ کر اس کا سر چوتڑوں کی طرف کر دیتے۔ اور ہاتھ پاؤں رسّیوں سے خوب مضبوط باندھ دیتے۔ اس اونٹنی کا نام بلیّہ تھا اور یہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس کی قبر پر بلیّہ باندھی جائے گی قیامت کے دن وہ اپنی بلیّہ پر سوار ہو کر اُٹھے گا۔ اور جس کی قبر پر بلیّہ نہ باندھی جائے گی وہ قیامت کو پیادہ میدان حشر میں جائیگا ✦

حریبہ ابن اشیم فقعسی اپنے بیٹے سعد کو وصیت کرتا ہے ۵

یا سعد اِمّا اھلکن فاننی	اے سعد اگر میں مر گیا تو میں تجھے وصیت
اوصیك ان اخا الوصاة الاقرب	کرتا ہوں اور سمجھ لے کہ وصیت اپنوں ہی سے
لا اعرفنّ اباك یحشر خلفکم	کیا کرتے ہیں ✦ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا باپ اپنی
تعبًا یخرّ علی الیدین وینکب	اولاد کے پیچھے پیچھے گرتا پڑتا میدان حشر میں جائے ✦
واحمل اباك علی بعیر صالح	تو اپنے باپ کو ایک اچھے تندرست اونٹ
وتقی الخطیئة انه ھو اصوب	پر سوار کرنا اور ناقص اور ناکارہ اونٹ سے بچنا ✦

ولعلّ لی ممّا جمعت مطیۃً فی الحشر ارکبھا اذا قیل ارکبوا	اور شاید میرے اپنے اونٹوں میں سے میرے لئے سواری موجود ہے۔ حشر میں جب لوگوں

سے کہا جائے گا کہ سوار ہو تو میں اسی پر سوار ہو جاؤں گا +

عُویمر بنہانی کہتا ہے ؎

ابنیّ لاتنس البلیّۃ انھا لابیك یوم نشورہ مرکوب	بیٹا میری قبر پر بلیّہ باندھنے کو نہ بھول جانا۔ کیونکہ وہ قیامت کے دن۔ تیرے باپ

کی سواری ہوگی +

نوحہ

میّت پر نوحہ کرنا جاہلیّت کی مشہور رسموں میں سے ہے۔ جب کوئی مرجاتا اُس کے خاندان اور قبیلہ کی تمام عورتیں اکٹھی ہوتیں۔ اُس کے کارنامے اور محاسن بیان کرکے بلند آواز سے اُس پر روتیں۔ جاہلیت کے اکثر بلکہ تقریباً تمام مرد مرتے وقت اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور خانداں کی عورتوں کو اپنے اوپر نوحہ کرنے کی وصیّت کر جاتے تھے۔ جاہلیّت کا نامور شاعر طرفہ بن عبد اپنے معلّقہ میں کہتا ہے ؎

اذا مت فانعینی بما انا اھلہ وشُقّی علے الجیب یا ابنۃ معبد	معبد کی صاحب زادی جب میں مرجاؤں۔ تو میرے ساتھ وہ سلوک کرنا جس کا میں اہل

ہوں لوگوں میں میرے مرنے کی خبر مشہور کرنا اور میرے غم میں اپنا گریبان پھاڑنا +

نوحہ کا وقت

نوحہ کے لئے صبح اور شام کا وقت مقرر تھا مشہور شاعرہ خنساء کہتی ہے ؎

یذکرنی طلوع الشمس صخرا واذکرہ بکل غروب شمس	سورج کا نکلنا مجھے میرے بھائی صخر کو یاد دلاتا ہے اور اسی طرح ہر شام کو جب سورج چھپتا ہے۔

میں اُسے یاد کرتی ہوں ؎

صخر کے ماتم میں رہتی ہوں مُدام ۔ صخر آتا یاد ہے ہر صبح و شام

نوحہ کی کیفیت

نوحہ کی یہ صورت تھی کہ عورتیں اپنا سر اور منہ کھول کر کھڑے ہو کر بلند آواز

سے مردہ کے کارنامے اور محاسن بیان کرکر روتیں اور اپنے مونہوں پر طمانچہ مارتیں اور گریبان پھاڑتیں۔ بعض عورتیں جو میت کے زیادہ قریب ہوتیں اپنے سر بھی منڈوا لیتیں۔ ربیع بن زیاد مالک بن زُہیر عبسی کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

من مثله تمسی النساء حواسرا	ایسے ہی شخص کے مرنے کی خبر سن کر عورتیں
وتقوم معولة مع الاسحار	برہنہ سر اور برہنہ مُنہ ہر صبح و شام بآواز بلند
من کان مسرورا بمقتل مالك	رونے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جو شخص مالک کے
فلیات نسوتنا بوجه نهار	قتل سے خوش ہوا ہے اسکو چاہئے کہ علی الصباح
یجد النساء حواسرا یندبنه	ہماری عورتوں کے پاس آکر ان کی حالت دیکھے
یلطمن اوجههن بالاسحار	وہ انہیں اس حالت میں پائے گا کہ کھلے سر
قد کن یخبان الوجوه تسترا	اور کھلے مُنہ اُسے رو رہی ہوں گی اور ہر صبح
فالیوم حین برزن للنظار	کو اپنے مُنہ پیٹ رہی ہوں گی۔ وہ عورتیں
یضربن حر وجوههن علی فتی	اس مصیبت کے پڑنے سے پہلے پردہ کی وجہ سے
عف الشمائل طیب الاخبار	اپنے چہرے چھپاتی تھیں۔ لیکن آج جبکہ وہ نظارگیں

کے لئے ظاہر ہوئیں تو ایک جوان کے غم میں جس کی خصلتیں پاک اور خبریں نیک تھیں اپنے کھلے مونہوں کو پیٹ رہی ہیں +

اصبہانی کہتے ہیں کہ جب عورت اپنے شوہر پر کھڑے ہو کر نوحہ کرتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ اُس کے بعد نکاح نہیں کرے گی[۱] +

شریعت اسلام نے نوحہ کی رسم کو نہایت مذموم قرار دیا۔ حدیثوں میں اِس کی بہت کچھ قباحت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے اپنا مُنہ پیٹا اور گریبان پھاڑا وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو موسےٰ

[۱] مناجة الطرب فی تقدمات العرب مولفہ نوفل آفندی صلہ مطبوعہ بیروت +

اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صالقہ اور حالقہ اور شاقہ سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی۔ صالقہ وہ ہے جو رونے میں آواز بلند کرے۔ حالقہ وہ ہے جو مصیبت میں اپنا سر منڈوائے۔ اور شاقہ وہ جو اپنا گریبان پھاڑے۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب ہوتا ہے۔ اہل حدیث نے بیان کیا ہے کہ گھر والوں کے رونے سے مردہ کو عذاب فقط اُسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اُس نے اپنی زندگی میں اِس کی وصیت کی ہو۔ لیکن اگر اُس نے اِس کی وصیت نہ کی ہو۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ حدیث میں عمومیت اس لئے ہے کہ اُس زمانہ میں سبھی لوگ اس کی وصیت کرتے تھے +

نوحہ کی میعاد

نوحہ کی بابت یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس کی میعاد ایک سال تک تھی۔ اس کا پتا لبید رضؓ کے اشعار سے بھی چلتا ہے جو آگے آتے ہیں +

جاننا چاہئے کہ شریعت میں جو نوحہ حرام ہے وہ فقط وہی نوحہ ہے جو جاہلیت کے طریق پر ہو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ بلند آواز سے چلا چلا کر مردہ کے محاسن بیان کر کے رویا جائے اور گریبان پھاڑا جائے اور منہ پیٹا جائے۔ یا مردہ کے غم میں سر منڈوایا جائے۔ ورنہ مطلق رونا منع نہیں ہے۔ حضرت لبید صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹیوں کو ناجائز نوحہ کی ممانعت فرمائی اور جائز رونے کی وصیت کی کما قال ؎

تمنی ابنتای ان یعیش ابوھما	میری دونوں بیٹیوں کی یہ خواہش ہے کہ ان کا
وھل انا الا من ربیعۃ او مضر	باپ ہمیشہ جیتا رہے۔ حال آنکہ میں بھی ربیعہ اور
فقوما وقولا بالذی تعلمانہ	مضر ہی کی اولاد ہوں۔ جب وہ مر گئے تو میں
ولا تخمشا وجھا ولا تحلقا شعر	کس طرح ہمیشہ جیتا رہوں گا۔ اے میری بیٹیو

وقولا هو المرء الذی لا صدیقہ
اضاع ولا خان الامین ولا غدار
الی الحول ثم اسم السلام علیکما
ومن یبک حولا کاملا فقد اعتذر

میرے مرنے کے بعد مجھے کھڑے ہو کر رونا اور میرے وہ اوصاف بیان کرنا جن کا تمہیں علم ہے۔ نہ اپنا منہ پیٹنا اور نہ سر منڈوانا ہاں یہ کہنا کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے نہ اپنے کسی دوست کو ضائع کیا۔ نہ امانت رکھنے والے کی خیانت کی اور نہ کسی کو دھوکا دیا۔ اِس طرح سال بھر تک کرنا پھر اس کے بعد میرا تم کو سلام ہے۔ کیونکہ جو پورے ایک سال تک روئے وہ معذور ہے *

لبیدؓ کی وفات کے بعد اُن کی دونوں بیٹیاں ہر روز اپنے نوحہ کے کپڑے پہن کر لبیدؓ کے قبیلہ جعفر بن کلاب کی عورتوں کی مجلس میں جاتیں اور اُن پر غم کرتیں لیکن اپنی آواز بلند نہ کرتیں۔ پورے ایک سال اُنہوں نے لبیدؓ کا ماتم کیا۔ پھر اپنے گھر چلی گئیں *

تعبیر قبر پر قربانی

اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ اپنے مُردوں کی قبروں پر اونٹ اور گھوڑے ذبح کرتے تھے اور ان کے خون سے قبر کو تر کرتے تھے۔ شعرائے جاہلیت نے اس رسم کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے زیاد الاعجم مغیرہ بن مہلّب کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

قل للقوافل والغزاۃ اذا غزوا
والباکرین وللمجد الرائح
ان الشجاعۃ والسماحۃ ضمنا
قبرا بمرو علی الطریق الواضح
فاذا مررت بقبرہ فاعقربہ
کوم الجلاد وکل طرف سابح
وانضح جوانب قبرہ بدمائھا

جنگی سپاہیوں سے جب وہ جنگ میں مصروف ہوں اور قافلوں۔ اور صبح و شام تیز چلنے والے لوگوں سے کہہ دے کہ شجاعت اور سخاوت دونوں اس قبر میں مدفون ہیں۔ جو مقام مرو میں ایسے مقام پر بنی ہوئی ہے جہاں سڑک نج رہی ہے۔ پس جب تو اس کی قبر پر گزرے تو اس پر بڑے بڑے

فلقد یکون اخادم وذبابھم | کوہان والی اونٹنیوں اور ہر ایک بادرفتار
گھوڑے کو ذبح کرے۔ اور ان کا خون اس کی قبر کی ہر ایک جانب اور ہر ایک پہلو پر چھڑک دے۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی میں بہت سے خون بہاتا تھا اور بہت سے جانور ذبح کرتا تھا *

حفص بن احنف کنانی ربیعہ بن مکدم کنانی کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

لایبعدنّ ربیعۃ بن مکدّم	خدا کرے ربیعہ بن مکدم کا نام ہمیشہ دنیا میں زندہ رہے اور صبح کے وقت برسنے والا مینہ اس کی قبر کو سیراب کرے۔ میری اونٹنی سیاہ رنگ والی زمین کے پتھروں سے جو ایک سخی اور فیاض کی قبر پر لگائے گئے تھے بدکی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میری اونٹنی تو اس سے نہ بدک کیونکہ جو ان پتھروں کے نیچے دبا ہوا ہے وہ بہت بڑا مے نوش اور
وسقی الغوادی قبرہ بذنوب	
نفرت قلوصی من حجارۃ حرۃ	
بنیت علی طلق الیدین وھوب	
لاتنفری یاناق منہ فانہ	
شریب خمر مسعر لحروب	
لولا السفار وبعد خرق مھمہ	
لترکتھا تحبو علی العرقوب	

اور سخت لڑائی کی آگ بھڑکانے والا تھا۔ اگر مسافرت اور لق ودق بیابانوں کی دوری نہ ہوتی تو میں اس قبر پر اپنی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالتا اور وہ اپنے گھٹنوں اور پیٹ کے بل گھسٹتی پھرتی *

ربیعہ بن مکدم کی قبر کے چاروں طرف سیاہ پتھر لگائے گئے تھے۔ لیکن وسط قبر میں ایک سفید پتھر لگا تھا جو کوئی اس قبر پر گزرتا تھا اپنی اونٹنی ذبح کرتا تھا۔ جب یہ شاعر اس پر گزرا تو اس نے سفر کے خیال سے اپنی اونٹنی ذبح نہ کی اور یہ شعر کہے *

قبروں پر اونٹوں کے ذبح کرنے کی چار وجہ بیان کی گئیں ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ لوگ میت کا بدلا اتارتے تھے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں اونٹ مہمانوں کے لئے

ذبح کیا کرتا تھا۔ ان لوگوں نے اِس شعر سے حجت پکڑی ہے [۵]

وانضح جوانب قبرہ بدمائھا فلقد یکون اخادم و ذبائح	یعنی اُس کے جوانب قبر کو اُس کے خون سے تر کردے کیونکہ وہ خون بہانے والا اور اونٹوں

کو ذبح کرنے والا تھا۔ دوم یہ کہ قبر پر اونٹوں کے ذبح کرنے سے مقصود میّت کی تعظیم تھی۔ یعنی جس طرح بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اسی طرح میّت کے نام پر بھی کرتے تھے۔ سوم یہ کہ جب میت کی ہڈیاں گل سڑ کر بوسیدہ ہو جاتی تھیں۔ تو اُن کو اونٹ کھاتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ میّت کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے تھے۔ گویا اُن سے مُردوں کا قصاص لیتے تھے۔ چہارم یہ کہ اونٹ اہل عرب کا نفیس اور بیش قیمت مال تھا۔ اس لئے وہ اُن کو ذبح کر کے یہ ظاہر کرتے تھے کہ متوفی کی موت سے ہم پر ایسی سخت مصیبت پڑی ہے۔ جس کے صدمہ کی وجہ سے ہمارا نفیس اور بیش قیمت مال ہمارے نزدیک بیقدر اور ذلیل ہو گیا [۱] +

بہرنہج اس کی وجہ کچھ ہی ہو جاہلیت میں قبروں پر اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے خون سے قبروں کو تر کرنا رائج تھا۔ اسلام نے اس رسم کو باطل قرار دیا اور فرمایا لاعقر فی الاسلام یعنی اسلام میں قبر پر جانور ذبح کرنا جایز نہیں ہے [۱] +

اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ جب مردہ کی ہڈیاں گل سڑ جاتی ہیں۔ تو اس کے سر میں سے اُلّو کی شکل کا ایک پرند نکلتا ہے تو یہ بن حُمَیر کہتا ہے +

ولو ان لیلی الاخیلیۃ سلمت علی ودونی تربۃ وصفائح لسلمت تسلیم البشاشۃ او زقا الیھا صدی من جانب القبر صایح	اگر لیلیٰ اخیلیہ مجھ کو اس وقت سلام کرے گی جب میں قبر میں مٹی اور چوڑی سلوں کے نیچے دبا ہوا ہونگا۔ تو میں نہایت خوش ہو کر اُس کے سلام کا

[۱] بلوغ الارب فی احوال العرب +

صفحہ ۲۰ جلد ۲

جواب دونگا یا اُس کی طرف میری قبر میں سے بولنے والا اُلّو نکلے گا اور چلائیگا +
کہتے ہیں کہ لیلیٰ اپنے شوہر کے ہمراہ توبہ کی قبر پر گزری اور اُس کو سلام کیا۔
جب کچھ جواب نہ پایا تو اپنے شوہر سے کہا کہ توبہ نے اپنی مدۃ العمر میں کبھی جھوٹ
نہیں بولا لیکن آج اُس کا جھوٹ ظاہر ہوا۔ شوہر نے کہا یہ کیونکر؟ اُس نے کہا
کہ اس نے میری محبت میں یہ شعر کہے ہیں۔ اب میں نے اس کو سلام کیا لیکن
یہ جواب نہیں دیتا۔ اتفاقاً کہیں اس کی قبر کے کسی گوشہ میں ایک اُلّو رہتا تھا
جب اُس نے لیلیٰ کے ہودج کے ہلنے کی آواز سنی اور اونٹ کو دیکھا تو گھبرا کر
بھاگا۔ لیلیٰ یہ سمجھی کہ یہ وہی اُلّو ہے جو آدمی کے سر میں سے نکلا کرتا ہے اور جس
کا ذکر توبہ نے کیا ہے۔ اُسے دیکھ کر لیلیٰ ڈر کر زمین پر گر پڑی اور اسی وقت مر
گئی[۱]۔ جاہلیّت کے شعراء کے اشعار میں اس اُلّو کا ذکر بہت ہے عربی میں اس
کو صدیٰ کہتے ہیں۔ شریعت اسلام نے اس خیال کو باطل قرار دیا ہے۔ حدیث
میں ہامہ کی جو نفی آئی ہے اُس سے مراد یہی صدیٰ ہے +

قبر پر شراب چھڑکنا

جاہلیّت میں یہ بھی دستور تھا کہ اپنے عزیز و اقارب اور دوست واحباب کی
قبروں پر شراب چھڑکتے تھے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اصبُّ علی قبریکما من مدامة	یعنی میں تم دونوں کی قبر پر شراب چھڑکتا ہوں
فان لا تنالاھا تروجنا کما	اگر تم خود اُس کو نہیں لیتے ہو تو وہ تمہارے

ڈھیروں کو سیراب کرتی ہے۔ یہ شاعر اپنے دو رفیقوں کی قبر پر ہمیشہ دو پیالہ شراب
چھڑکتا تھا[۲] +

جُوا

جاہلیّت کی مشہور رسموں میں سے ایک رسم جُوا ہے۔ جو عرب جاہلیت

---

[۱] الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور + [۲] حماسہ +

کا بڑا سرمایہ ناز و افتخار تھا۔ اور اُس زمانہ میں منجملہ کمالات انسانی کے شمار کیا جاتا تھا۔ جو شخص جُوا نہیں کھیلتا تھا لوگ اُس کو سخت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور نکھٹو بناتے تھے۔ اہل محلہ اور برادری میں اُس کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اور چاروں طرف سے اُس پر لعن وطعن پڑتی تھی۔ جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ جُوئے باز جُوے کی آمدنی کا اکثر حصہ فقراء و مساکین کو بانٹ دیتے تھے۔ اور اکثر سختی اور قحط کے دنوں میں جُوا کھیلتے تھے۔ جب نہ اونٹوں کے ملتے دودھ رہتا تھا۔ اور نہ لوگوں کو کچھ کھانے کو ملتا تھا۔ چونکہ بیشتر جُوے سے اُن کی غرض فقراء و مساکین اور غریب لوگوں کی امداد ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اس کو موجب فخر و مباہات گنتے تھے۔ اور جو شخص جُوے سے علیحدہ رہتا تھا۔ اس کو برم یعنی کنجوس اور بخیل کہتے تھے۔ خصوصاً ایام قحط و خشک سالی میں تو جُوا کھیلنا انسان کا بہت ہی بڑا کمال خیال کیا جاتا تھا۔ اور وہ لوگ اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ ہم جُوے سے منہ موڑنے والے اور اُس سے علیحدہ رہنے والے نہیں ہیں۔ جس سے اُن کا مقصود اس بات کو ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ ہم بڑے داتا اور سخی ہیں۔ متمم بن نویرہ اپنے بھائی مالک کے مرثیہ میں کہتا ہے کہ ؎

وَلَا بَرَمًا تُهْدِی النِّسَاءُ لِعِرْسِهِ
اِذَا الْقَشْعُ مِنْ بَرْدِ الشِّتَاءِ تَقَعْقَعَا

جب چمڑے کے خیموں پر قحط کے اولے گرنے کی آواز آتی تھی تو ایسے وقت میں وہ جُوے سے علیحدہ نہیں رہتا تھا کہ اور عورتیں اُس کی دلہن کو ہدیہ بھیجتی ہوں ؎

لبید بن ربیعہ اپنے معلقہ میں کہتا ہے ؎

وَجَزُورِ اَیْسَارٍ دَعَوْتُ لِحَتْفِهَا
بِمَغَالِقٍ مُتَشَابِهٍ اَجْسَامُهَا
اَدْعُوبِهِنَّ لِعَاقِرٍ اَوْ مُطْفِلٍ۔

میں نے ہزاروں مرتبہ ایسا کیا کہ اُن اونٹوں کے ذبح کرنے کے لئے جو جُوے کی لائق تھے اپنے ندیموں کو جُوے کے اُن پانسوں کے

فَبُذِلْنَ لِجِيْرَانِ الْجَمِيْعِ لِحَامُهَا	سا تھ بلایا۔ جو طول و عرض میں برابر تھے۔
فَالضَّيْفُ وَالْجَارُ الْجَنِيْبُ كَأَنَّمَا	میں نے اُن پانسوں کے ساتھ اپنے ندیموں
هَبَطَا تَبَالَةَ مُخْصِبًا أَهْضَامُهَا	کو بانجھ اور بچّہ والی اونٹنیوں کے ذبح کرنے

کے لئے بلایا اور اُن کا گوشت سب کے پڑوسیوں پر تقسیم کیا گیا + سو میرے مہمان اور دور کے پڑوسی میری فیاضی سے ایسے خوش حال ہو گئے کہ گویا وہ تبالہ میں مقیم ہیں جس کے ٹیلے نہایت سرسبز و شاداب ہیں +

اگرچہ ان اشعار میں لبیدؓ نے اپنے جُوا کھیلنے کی تعریف نہیں کی۔ بلکہ ایام قحط اور خشک سالی میں اپنی سخاوت اور فیاضی کی تعریف کی ہے۔ لیکن ان اشعار سے جُوے کی تعریف نکلتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے اُونٹ جو جُوا کھیلنے کی لائق تھے میں نے اپنے ندیموں کو اُن کے ذبح کرنے کے لئے۔ جُوے کے اُن پانسوں کے ساتھ بلایا جو سب طول و عرض میں برابر تھے تاکہ اُن پانسوں کے ذریعہ سے اُن اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالے اور جن جن اونٹوں کے نام قرعہ پڑے اُن کو ذبح کرے۔ پھر کہتا ہے کہ میں نے اپنے ندیموں کو جُوے کے پانسوں کے ساتھ بانجھ اور بچّہ دار ہر قسم کی اونٹنیوں کے ذبح کرنے کے لئے بلایا۔ یہ اس لئے کہا کہ بانجھ اونٹنی فربہ اور موٹی تازی ہوتی ہے۔ اور بچّہ دار عمدہ اور نفیس۔ پھر کہتا ہے کہ میرے ندیموں نے میرے اونٹوں کو ذبح کیا اور اُن کا گوشت سب کے پڑوسیوں کو تقسیم کیا گیا۔ یعنی میں نے اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر لی اور غیروں کے بھی۔ اور میری اس سخاوت اور فیاضی سے میرے مہمان اور دور کے پڑوسی ایسے خوش خال ہو گئے کہ گویا وہ یمن کے وادی تبالہ میں مقیم ہیں۔ جس کے ٹیلے نہایت سرسبز و شاداب ہیں۔ اور اُنہیں قحط کی خبر ہی نہیں +

ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ یہ شاعر اس بات پر فخر کرتا ہے کہ جوا اونٹ

میں نے قحط میں لوگوں کو ذبح کرکے کھلائے وہ میرا ذاتی مال تھے۔ جوے کی کمائی سے نہیں تھے۔ ہاں اس قابل تھے کہ اُن کے ساتھ جُوا کھیلا جاتا۔ اور یہ اس لئے کہا کہ جوا بیش قیمت اُونٹوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔

غرض جُوا جاہلیت میں عام طور پر رائج تھا۔ اور اُس میں اُن کو غایت درجہ کا انہماک تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں لوگ اپنے تمام مال اور بیویوں کو جُوے کی نذر کر دیتے تھے۔

جُوا کھیلنے کا طریق یہ تھا کہ چند داتا اور سخی آدمی جمع ہو کر ایک اونٹ خریدتے اور قصائی کو بلاتے وہ اُس کو ذبح کرکے برابر برابر اُس کے دس حصے کر دیتا۔ حصوں کی ترتیب و تقسیم اس طرح پر تھی کہ دونوں شانوں اور دونوں بازو اور دونوں رانوں کے علیحدہ علیحدہ دو دو حصے قرار دیئے جاتے۔ اور یہ کل چھ حصے ہو جاتے۔ یعنی ان چھوں اجزا میں سے ہر ایک جزو کا ایک حصہ ہوتا۔ پھر باقی چار حصے یوں ہوتے۔ سینہ ایک حصہ۔ کندھا ایک حصہ۔ ملحا یعنی کوہان سے چوتڑوں تک ایک حصہ۔ چوتڑ ایک حصہ۔ رانوں کے ساتھ گردن کے مہرے اور پہلو کے وہ اطراف بھی شامل ہوتے تھے جو پسلیوں کے متصل ہوتے ہیں۔ پھر کوہان اور جگر اور دونوں پہلوؤں اور گوشت کے ٹکڑوں سے جو کچھ بچتا۔ وہ دسوں حصوں پر برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ یہانتک کہ سب حصے برابر ہو جاتے۔

جب دسوں حصے برابر ہو جاتے تو فقط ایک ہڈی بچ رہتی جو کسی حصے کے ساتھ نہیں مل سکتی تھی۔ اگر قصائی چاہتا تو وہ اسے لے لیتا ورنہ وہ قبیلہ کے فقراء و مساکین کا حق سمجھی جاتی۔ جُوے بازوں میں سے اُسے کوئی نہ لیتا۔ کیونکہ اسکو لینا اُن کے نزدیک موجب ننگ و عار تھا۔ اس ہڈی کا نام اُن کے یہاں ریم تھا۔ اس کے بعد فقط سری پائے باقی رہ جاتے جنہیں قصائی اپنی اجرت میں لے لیتا۔

جوا کھیلنے کا طریق

جب اس طرح پر اُونٹ کے دس حصے ہو جاتے تو جُوئے باز جمع ہوتے۔ اور جوئے کے پانسے جنہیں وہ لوگ قداح اور ازلام اور اقلام کہتے تھے۔ منگائے جاتے۔ یہ پانسے درخت نبع کی لکڑی کے بنے ہوئے صاف چھلے ہوئے۔ رندہ کئے ہوئے اور لمبائی چوڑائی میں سب برابر ہوتے تھے۔ ان پانسوں کی تعداد دس تھی۔ جن کے ناموں کی تفصیل یہ ہے فذ۔ توام۔ رقیب۔ حلس۔ نافس۔ مسبل۔ معلی۔ منیح۔ سفیح۔ وغد۔

ان میں سے فذ سے لیکر معلی تک ہر ایک کے ترتیب وار حصے مقرر تھے۔ یعنی فذ کا ایک۔ توام کے دو۔ رقیب کے تین۔ حلس کے چار۔ نافس کے پانچ۔ مسبل کے چھ۔ معلی کے سات۔ اخیر کے تین یعنی منیح۔ سفیح۔ اور وغد کا کوئی حصہ مقرر نہیں تھا۔ جس پانسے کے جسقدر حصے تھے۔ اُس پر اُتنے ہی نقطے تھے۔ اور جس پانسے کا حصہ نہ تھا اُس پر نقطہ بھی نہ تھا۔ شیخ ابن حاجب نے ان کو ان کے حصوں کی ترتیب کے مطابق ان اشعار میں نظم کیا ہے ۔

هی فذ و توأم و رقیب ثم حلس و نافس ثم مسبل والمعلی والوغد ثم منیح وسفیح هذه الثلاثة تهمل ولکل مما سواها نصیب ضعفه ان عدّدت اول اول	جوئے کے پانسے۔ فذ۔ توام۔ رقیب۔ حلس۔ نافس۔ مسبل۔ معلی۔ وغد۔ منیح۔ اور سفیح ہیں۔ اخیر کے تینوں کا حصہ مقرر نہیں ہے۔ اور ان کے سوا سات کے حصے مقرر ہیں۔ ہر ایک کا حصہ ترتیب وار ایک ایک بڑھتا چلا گیا ہے۔

اوّل یعنی فذ کے لئے اس کی کامیابی کی صورت میں ایک حصہ مقرر تھا۔ اور اس کی ناکامیابی کی صورت میں اس پر ایک حصہ کا تاوان تھا۔ اسی طرح معلی تک ترتیب وار باقی پانسوں کا حال تھا۔ یعنی کامیابی کی صورت میں جس پانسے کے جتنے حصے مقرر تھے۔ ناکامیابی کی صورت میں اُتنے ہی حصوں کا

اُس پر تاوان پڑتا تھا۔ مثلاً معلّی جو ساتواں پانسا تھا۔ کامیابی کی صورت میں اُس کے سات حصّے مقرر تھے۔ اِسی طرح اُس کی ناکامیابی کی صورت میں اس پر سات ہی حصّے کا تاوان بھی پڑتا تھا۔ پانسے کے کامیاب اور ناکامیاب ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ جو پانسا پڑتا وہ کامیاب ہوتا۔ اور جو نہ پڑتا وہ ناکامیاب رہتا[1]۔

تین پانسے مہمل یعنی منیح۔ سفیح۔ اور وغد جن کا نہ کوئی حصّہ مقرر تھا۔ اور نہ اُن پر کوئی علامت تھی اِس واسطے زیادہ کئے جاتے تھے کہ پانسا ڈالنے والے کے ذمے کسی قسم کی تہمت عاید نہ ہو۔ اور اس پر کسی کی دوستی یا رعایت کا الزام نہ لگایا جائے۔

جب پانسے اور جُوے باز حاضر ہو جاتے تو ہر ایک جوے باز اپنے مرتبہ اور حیثیت کے مطابق اُن میں سے ایک پانسا لے لیتا۔ جس کی حالت قدر سے بڑھکر کی متقاضی نہ ہوتی وہ قذ لے لیتا اور سمجھتا کہ اگر میرا پانسا پڑ گیا تو مجھے ایک حصّہ کافی ہے۔ اور اگر نہ پڑا تو مجھے فقط ایک ہی حصہ کا تاوان دینا پڑے گا۔ جس کا ادا کرنا مجھے چنداں دشوار نہیں ہے۔ کوئی جو امیر اور روپیہ والا ہوتا وہ معلّی یعنی سات حصّوں والا پانسا لے لیتا۔ اُسے اس بات کی کچھ پروا نہ ہوتی کہ اگر میں ناکامیاب رہا۔ اور میرا پانسا نہ پڑا تو مجھ کو تاوان کے سات حصّے دینے پڑیں گے۔ کیونکہ اُس کو اس قدر تاوان دینا کچھ بھاری نہ تھا۔ وہ اگر کامیاب ہوتا اور اس کا پانسا پڑ جاتا تو سب سے بڑا حصہ پاتا۔ اور اگر ناکامیاب رہتا تو اس کو سب سے زیادہ تاوان دینا پڑتا کوئی کوئی داتا اور سخی ایسا بھی ہوتا جو معلّی اور اُس کے ساتھ ایک آدھ پانسا بھی لے لیتا۔ لیکن یہ اکثر اُس صورت میں ہوتا تھا۔ جب جُوے بازوں کی تعداد مقدار سہام سے کم ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں وہ اپنے پانسے کے علاوہ بچے ہوئے پانسے کو

---

[1] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

لے لیتا اور جوے بازوں سے کہتا کہ میں نے تمہاری مقدار پوری کردی۔ اسی بارہ میں متمم بن نویرہ اپنے بھائی مالک کی تعریف کرتا ہے سه

اذا حضر القوم القداح واوقدت	جب جوے بازوں میں پانسے آتے تھے
لهم نار ایسار کفی من تضجعا	اور جوے کے لئے اُن کی آگ جلتی تھی تو

وہ اُس شخص کا بوجھ اٹھا لیتا تھا جو جوے میں حصّہ نہیں لیتا تھا۔ یعنی جوے میں جو پانسا باقی رہ جاتا تھا اور اُسے کوئی نہ لیتا تھا وہ اُسے لے لیتا تھا۔ اور جوے بازوں کے پانسوں کی تعداد پوری کر دیتا تھا۔

پانسے ڈالنے کا طریق

جب ہر ایک جوے باز ایک ایک پانسا لے لیتا تو وہ سب پانسے ایک اَور آدمی کو دیدیئے جاتے جو جوے میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ اس شخص کو حُرضہ کہتے تھے۔ یہ جوے بازوں کا امین ہوتا تھا۔ اور یہی ان کے لئے پانسے پھینکتا تھا۔ یہ شخص گوشت کبھی اپنے داموں سے نہیں کھاتا تھا۔ ہمیشہ دوسرے ہی لوگوں کے گھر سے کھاتا تھا۔ یا جوے باز اُس کو ہدیہ بھیجدیتے تھے۔

جوا چونکہ اکثر رات کو کھیلتے تھے اِس واسطے اُس کے لئے آگ بھی جلاتے۔ اور حُرضہ کو پانسے دینے سے پیشتر ایک نہایت سفید کپڑا جس کو وہ لوگ مُجوّل کہتے تھے۔ اُس کے ہاتھ کی پشت پر لپیٹتے۔ اِس کپڑا لپیٹنے کی علّت غائی یہ ہوتی تھی کہ اس سے اُس کی نظر چھپ جاتی تھی۔ اور زید و عمرو کے پانسے میں تمیز نہیں کرسکتا تھا۔ اِس کے علاوہ اُس کی ہتیلی پر بھی چمڑہ کا ایک ٹکڑا لپیٹتے۔ تاکہ اگر جوے بازوں میں سے اُس کا کوئی دوست ہو تو مَسّ کے ذریعہ سے اس کے پانسے کو پہچان سکے یہ سب انتظام اس واسطے کیا جاتا تھا کہ وہ کسی کی دوستی یا مروّت کی وجہ سے پانسے پھینکنے میں خیانت نہ کرسکے۔

سه دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳

الغرض حُرضہ تمام پانسے بغیر اس کے کہ اُن کی طرف دیکھے اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ اور اُن کے پھینکنے کے لئے ایک جگہ بیٹھ جاتا۔ اس کی پیٹھ کے پیچھے ایک اَور شخص جسکو وہ لوگ رقیب اور رابئ الضرباء کہتے تھے بیٹھتا۔ اور جوُے باز اُس کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ یہ شخص جسے وہ رقیب کہتے تھے حُرضہ کی پیٹھ پیچھے اِسی لئے بٹھایا جاتا تھا کہ پانسوں کی حفاظت کرے۔ اور جو پانسا پڑے اُس کی جوُے بازوں کو اطلاع دے۔ پانسا پڑنے کے باب میں جوباز اسی کے قول کا اعتبار کرتے تھے۔

جب اِس طرح پر حُرضہ اور رقیب اور جوُے باز بیٹھ جاتے تو اُس وقت حُرضہ پانسے پھینکتا۔ جو پانسا پڑتا حُرضہ اس کو فوراً اٹھا کر رقیب کے ہاتھ میں دیدیتا۔ اور خود اُس کی طرف نہ دیکھتا۔ رقیب اس کو دیکھکر جس کا ہوتا اُس کو دے دیتا۔ وہ اُونٹ کے اُن دس حصّوں میں سے اُتنے حصّے لے لیتا۔ جتنے اس پانسے کے ہوتے۔ اگر وہ پانسا فذ ہوتا تو اُس کا مالک ایک حصّہ۔ توام ہوتا تو اُس کا مالک دو حصّے۔ رقیب ہوتا تو اس کا مالک تین حصّے۔ حلس ہوتا تو اس کا مالک چار حصّے۔ نافس ہوتا تو اُس کا مالک پانچ حصّے۔ مسبل ہوتا تو اس کا مالک چھ حصّے اور معلّی ہوتا تو اس کا مالک سات حصّے لے لیتا۔ اِس کا نام ان کی اصطلاح میں پانسے کا کامیاب ہوتا تھا[1]۔

اِس کے بعد اُس شخص کو اختیار حاصل ہوتا تھا۔ اگر چاہتا اپنے حصّے لیکر رک جاتا اور دوبارہ جوُے میں شریک نہ ہوتا۔ اور اگر چاہتا دوسرے حصّے پھر لینا پانسا ڈالنے کو دے دیتا۔ اِس دوبارہ پانسا ڈلوانے کا نام اُن کے یہاں تثنیہ تھا۔

جس کا پانسا پہلی دفعہ پڑا تھا اگر وہ پھر شریک نہ ہوتا۔ تو حُرضہ باقی پانسوں کو باقی حصوں

---

[1] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

پر ڈالتا دوسری دفعہ جس کا پانسا پڑتا۔ اس کو بھی پہلے کی طرح اختیار تھا۔ اگر چاہتا اپنے
حصّے لیکر علیحدہ ہو جاتا۔ اور چاہتا تو اپنا پانسا دوبارہ ڈلوانے کو دے دیتا۔ اگر وہ بھی
اپنا حصّہ لے کر علیحدہ ہو جاتا۔ اور پھر شریک نہ ہوتا۔ اور گوشت کے کچھ حصّے بچ رہتے
توحرضہ باقی پانسوں کو باقی حصّوں پر پھر ڈالتا۔ اگر تیسری دفعہ بھی گوشت کے کچھ حصّے بچ رہتے تو باقی پانسوں
کو باقی حصّوں پر چوتھی مرتبہ ڈالتا حتیٰ کہ کسی مرتبے میں گوشت کے کل حصّے ختم ہو جاتے۔

اب فرض کرو کہ پہلی دفعہ جب پانسے ڈالے گئے تو فذ پڑا۔ اور اس کا مالک اپنا ایک
حصّہ لے کر جو اُس کے پانسے کا تھا علیحدہ ہو گیا۔ اور دوبارہ جُوے میں شریک نہ ہوا۔
جب دوسری دفعہ باقی نو پانسے ڈالے گئے تو توام پڑا۔ اور اُس کا مالک بھی اپنے دو
حصّے لیکر علیحدہ ہو گیا اب اونٹ کے کل سات حصّے باقی رہ گئے۔ جب تیسری دفعہ
پانسے ڈالے گئے تو معلّیٰ پڑا۔ اُس کے مالک نے اونٹ کے باقی ماندہ سات حصّے
لے لئے۔

اِس صورت میں اُونٹ کے دسوں حصّے تین دفعہ پانسے ڈالنے میں ختم ہو
جاتے۔ اور تاوان یعنی اونٹ کی قیمت ان لوگوں کو دینی پڑتی جن کے پانسے
محروم جاتے۔ اور وہ چار شخص ہیں۔ یعنی رقیب۔ حِلس۔ نافس۔ اور مُسبل والے۔
چونکہ اِن چاروں پانسوں کے کل اٹھارہ حصّے تھے۔ اس لئے اونٹ کی قیمت اٹھارہ
حصّوں پر تقسیم ہو جاتی۔ اور ان پانسوں والوں میں سے ہر پانسے والے کو اتنے
حصّوں کی قیمت دینی پڑتی جتنے حصّے اُس کو اُس کے پانسے کی کامیابی کی صورت
میں ملتے۔ یعنی رقیب والے کو تین حصّوں کی۔ حِلس والے کو چار حصّوں کی۔
نافس والے کو پانچ حصّوں کی۔ اور مُسبل والے کو چھ حصّوں کی۔ اب فرض کرو کہ پانسے
اس ترتیب سے نہ پڑتے۔ بلکہ پہلی دفعہ رقیب۔ اور دوسری دفعہ معلّیٰ پڑتا۔ تو اس صورت
میں رقیب والا اپنے تین حصّے لے لیتا اور معلّیٰ والا سات۔ ان دو پانسوں میں اونٹ

کے دسوں حصّے ختم ہو جاتے۔ اور تاوان اُن پانچ شخصوں پر پڑتا جنکے پانسے محروم جاتے۔ یعنی فذ۔ توام۔ حلس۔ نافس۔ اور مُسبل والوں پر۔ چونکہ ان پانچوں پانسوں کے سہام کا مجموعہ بھی اٹھارہ ہے اسلیئے اس صورت میں بھی اُونٹ کی قیمت اٹھارہ حصّوں پر تقسیم ہو جاتی۔ اور ہر شخص کو اتنے حصّوں کی قیمت دینی پڑتی۔ جتنے اس کے پانسے کے مقرر تھے ٭

اگر پانسے اِس ترتیب سے بھی نہ پڑتے۔ بلکہ پہلی ہی دفعہ معلّی پڑتا۔ تو اس کا مالک اُونٹ کے سات حصے لے لیتا۔ اس صورت میں وہ ایک اَور اونٹ ذبح کرتے۔ کیونکہ اُن پانسوں میں جو پہلی دفعہ محروم گئے مسبل بھی ہے۔ جس کے چھ حصّے ہیں اور گوشت کے کل تین ہی حصّے باقی رہے ہیں۔ جب دوسرا اونٹ ذبح کر لیتے۔ تو اب گوشت کے تیرہ حصّے ہو جاتے۔ کیونکہ تین پہلے اُونٹ میں سے بچے ہوئے ہوتے اور دس دوسرے کے۔ جب ان تیرہ حصّوں پر باقی ماندہ نو پانسے ڈالے جاتے۔ اور مُسبل پڑتا تو اُس کا مالک اپنے چھ حصّے لے لیتا۔ جن میں سے تین پہلے اُونٹ کے بچے ہوئے ہوتے۔ اور تین دوسرے میں سے۔ اس صورت میں مسبل والا پہلے اونٹ کے تاوان میں شریک ہوتا۔ کیونکہ چھ حصّے جو اس کے مقرر تھے وہ اس کو پہلے اونٹ میں سے نہیں ملے۔ لیکن دوسرے اونٹ میں اُس پر کچھ تاوان عاید نہ ہوتا۔ کیونکہ اُس میں اُس کا پانسا کامیاب ہو گیا۔ دوسرے اُونٹ میں تاوان اُن کو دینا پڑتا۔ جن کے پانسے اُس میں محروم جاتے۔ یہ تاوان بھی اسی حساب سے پڑتا جو پہلے مذکور ہو چکا ہے ٭

اب اِن دو پانسوں میں پہلا اُونٹ تو بالکل ختم ہو جاتا۔ اور دوسرے اُونٹ میں سے سات حصے باقی رہجاتے۔ جن پر باقی پانسے ڈالے جاتے۔ اگر نافس پڑتا تو اس کا مالک اپنے پانچ حصّے لے لیتا۔ اور مُسبل والے کی طرح اُسے بھی فقط پہلے اونٹ میں تاوان دینا پڑتا۔ دوسرے اونٹ میں اس پر تاوان نہ پڑتا۔ کیونکہ پہلے اُونٹ

میں اُس کا پانسا ناکامیاب رہتا تھا۔ اور دوسرے اونٹ میں کامیاب ہو گیا۔

اب گوشت کے فقط دو حصے باقی رہ جاتے۔ اور پانسوں میں ابھی جلس باقی رہتا جس کے چار حصے مقرر تھے۔ اس لئے وہ ایک اَور اونٹ ذبح کرتے۔ تاکہ اس کے لئے چار حصے پورے ہو جائیں۔

جب تیسرے اونٹ کو ذبح کر لیتے۔ تو اب گوشت کے بارہ حصے ہو جاتے۔ جن میں سے دو دوسرے اونٹ کے بچے ہوئے ہوتے اور دس تیسرے کے۔ جب اِن بارہ حصوں پر باقی پانسے ڈالے جاتے۔ اور جلس پڑتا تو اس کا مالک اپنے چار حصے لے لیتا۔ جن میں دو حصے دوسرے اونٹ کے بقیہ ہوتے۔ اور دو تیسرے میں سے۔ اس کو بھی فقط پہلے اونٹ میں تاوان دینا پڑتا۔ دوسرے اونٹ میں اس پر کچھ تاوان عاید نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کے دو حصوں میں اس کا پانسا کامیاب ہو گیا اور جسقدر پانسے باقی رہے ہیں ان کے لئے کافی حصے موجود ہیں۔ دوسرے اونٹ کا تاوان انہی لوگوں پر پڑتا۔ جن کے پانسے اُس میں خالی جاتے۔ اب تیسرے اونٹ میں سے آٹھ حصے باقی رہ جاتے۔ اُن پر باقی پانسے ڈالے جاتے۔

غرض جب تک حصے والا کوئی پانسا بھی باقی رہتا برابر پانسے ڈالتے رہتے۔ یہاں تک کہ ان کے پانسے اونٹ کے حصوں کی مطابق پڑتے۔ اگر گوشت کے حصے پانسوں کے حصوں کے مطابق ہوتے تو انہیں اَور اُونٹ کے ذبح کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور اگر تمام پانسے پڑ جاتے اور گوشت کا کوئی حصہ بچ رہتا۔ تو وہ قبیلہ کے فقراء و مساکین کا حق ہوتا۔

اگر وہ شخص جس کا پانسا ایک مرتبہ کامیاب ہو جاتا دوبارہ اپنا پانسا ڈلواتا۔ اور اس بار ناکامیاب رہتا۔ تو اُس کو اسی حساب کے بموجب جو پہلے مذکور ہو چکا اُس اونٹ کی قیمت میں تاوان دینا پڑتا جس میں اُس کا پانسا خالی جاتا۔[1]

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

جس اونٹ میں جس شخص کا پانسا خالی جاتا تھا وہ اس کے گوشت میں سے کوئی بوٹی نہیں کھاتا تھا۔ کیونکہ یہ امر اُن کے یہاں نہایت قبیح اور معیوب گنا جاتا تھا[1]

عرب کے مالدار اور سخی چونکہ بیشتر قحط کے موسم میں جوا کھیلتے تھے۔ اور جو جیت جاتا تھا۔ وہ اونٹ کے حصے فقراء و مساکین کو دے دیتا تھا۔ جس کے سبب سے وہ لوگ جی جاتے تھے۔ اس لئے جو جُوے کے پانسے لیتا تھا۔ اہل عرب اس کی تعریف کرتے تھے۔ اور جو جُوا نہیں کھیلتا تھا۔ اس پر عیب لگاتے تھے۔ اور اس کو برم یعنی کنجوس کہتے تھے۔ متمم بن نویرہ اپنے بھائی مالک کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

ولا برما تھدی النساء لعرسہ
اذا القشع من برد الشتاء تقعقعا

جب چمڑے کے خیموں پر پڑ پڑ قحط کے اولو کے گرنے کی آواز آتی تھی۔ تو ایسے وقت میں وہ جُوے سے علیحدہ نہیں رہتا تھا کہ اَور عورتیں اس کی دلھن کو ہدیہ بھیجتی ہوں

جحر بن خالد حماسی اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ؎

واذا ھلکت فلا تریدی عاجزاً
غسّاً ولا برماً ولا معزالا

جب میں مرجاؤں تو میرے بعد تو کسی عاج ضعیف۔ اور نالائق سے نکاح نہ کرنا۔ اور ن جُوے سے علیحدہ رہنے والے سے۔ اور نہ نِہتّے سے۔

جُوے کی ایک اَور قسم تھی۔ جس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص باریک مٹی یا ر کی ایک بڑی ڈھیری میں کوئی شئے چھپا دیتا۔ پھر اس کو برابر برابر دو حصوں میں تق کر کے اُس کی دو ڈھیریاں بنا دیتا۔ اور دوسرے شخص سے پوچھتا کہ بتلاؤ وہ شے جو میں نے چھپائی ہے کونسی ڈھیری میں ہے۔ اس پر دونوں طرف سے کچھ روپیہ بدا جاتا۔ جانب مقابل قیاس یا اٹکل سے کسی ایک ڈھیری میں بتلا دیتا۔ اگر وہ شئے اُسی ڈھیری میں نکلتی جس میں وہ بتلاتا تو جیت جاتا اور شرط کا روپیہ اپنے حریف

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳

سے وصول کر لیتا۔ ورنہ ہار جاتا اور شرط کا روپیہ اُسے اپنے حریف کو دینا پڑتا ؛

اصل میں یہ لڑکوں کا ایک کھیل ہے۔ جسکو عربی میں فئال۔ فارسی میں خاکبازی۔ ہندی میں سوالکو دوں اور کوڑی زقند کہتے ہیں۔ خاکبازی سے جامی کے اس شعر میں ؎

دلا تاکے دریں کاخِ مجازی　　کنی مانند طفلاں خاکبازی

یہی کھیل مراد ہے۔ لیکن عرب کے سوا جہاں کہیں بھی اس کھیل کا رواج تھا۔ صرف لڑکوں تک محدود تھا۔ عرب میں لڑکوں کی کچھ خصوصیت نہ تھی۔ وہاں لڑکے بالے اور بڑے بوڑھے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے ؛

عرب کے نامور شاعر طرفہ بن عبد بکری نے اس جوے کا ذکر اپنے معلقہ میں کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

یشق حباب الماء حیزومہا بہا کما قسم الترب المفائل بالید	اُن کشتیوں کے سینے اُن منجھ دھاروں میں بڑے گہرے پانی کو اس طرح چیرتے ہیں۔

جیسے کوڑی زقند کھیلنے والا مٹی کو ہاتھ سے دو حصّے کر دیتا ہے ؛

یہ جاہلیّت کے جوے کی کیفیت تھی جو مختصر طور پر بیان کی گئی۔ چونکہ اس میں بہت سے مفاسد پائے جاتے تھے۔ جو کسی عاقل پر مخفی نہیں ہیں۔ جوے باز لوگوں کا مال باطل کے ساتھ کھاتے تھے۔ اور بعض اوقات جوے کے سبب سے آپس میں دشمنی اور عداوت ہو جاتی تھی۔ بعض لوگ بالکل مفلس اور قلاّش ہو جاتے تھے۔ اور جب کچھ پاس نہیں ہوتا تھا تو آخر کار چوری پر نیّت دھرتے تھے۔ بعض جوے میں اپنی بیویوں تک کو ہرا دیتے تھے۔ جو پرلے درجے کی بے غیرتی تھی۔ اس لئے شریعت غراء اسلام نے جو تمام بیہودہ اور لغو رسموں کے مٹانے اور انسانوں کو تمیز سکھانے اور مہذّب بنانے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس فعل شنیع کو نجس

و ناپاک اور حرام قرار دیا - اور فرمایا:

یاایہا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون	مسلمانو! شراب اور جُوا اور بُت - اور استھ... کے پانسے - یہ سب ناپاک اور شیطانی

فعل ہیں - سو تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اِستِقسام بالاَزلام

(یعنی استخارے کے پانسے ڈالنا)

جاہلیت کی مشہور رسموں میں سے ایک رسم اِستِقسام بالاَزلام یعنی استخارے کے پانسے ڈالنا تھی - جس کی صورت یہ تھی کہ جب وہ لوگ - سفر - تجارت - جنگ نکاح - ختنہ - بیع - بناء مکان وغیرہ اُمور کا قصد کرتے - یا اُن کے درمیان کسی بڑی بات مثلاً قتل - دیت - نسب وغیرہ امور میں اختلاف ہوتا اور اُس کا فیصلہ کرنا چاہتے تو سو درہم لے کر ہُبَل بُت کے پاس جاتے - جو مکّے میں قریش کا سب سے بڑا بُت تھا - اور خانہ کعبہ میں نصب تھا - وہ سو درہم پانسے ڈالنے والے کو دیدیتے - اور اُس سے پانسے ڈالنے کی درخواست کرتے یہ ایک شخص ہوتا تھا جو خانہ کعبہ میں بطور مجاوروں کے رہتا تھا - اور خانہ کعبہ کی خدمت اور بتوں کی محافظت کرتا تھا - اس کے پاس سات ازلام یعنی پانسے رہتے تھے - یہ سب پانسے مقدار میں برابر تھے - جن میں سے ایک پر اَمَرَنی رَبّی - دوسرے پر نَہانی رَبّی تیسرے پر مِنکُم چوتھے پر مِن غیرِکُم - پانچویں پر مُلصَق - چھٹے پر العَقل لکھا ہوا تھا - اور ساتواں تھا - اُس پر کچھ نہیں لکھا تھا - چونکہ یہ شخص ان پانسوں کا مالک و محافظ تھا - اور اکثر یہی لوگوں کے لئے پانسے ڈالتا تھا اس لئے اس کو صاحب القِداح اور امین القداح کہتے تھے۔

پانسے ڈلوانے والے اگر یہ چاہتے کہ اُنہیں آئندہ کی خبر مل جائے اور جس

کہ انہوں نے ارادہ کیا ہے اس کا نیک و بد انجام معلوم ہو جائے۔ تو ابن القداح امر و نہی کے دو پانسے ڈالتا۔ اگر امر والا پانسا نکلتا تو سمجھتے کہ کام چھپتیس ہے اور جس کام کا ارادہ ہوتا اُس کو بڑی خوشی سے کرتے۔ اور اگر نہی والا پانسا نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیتے اور سال بھر تک اُس کے پاس نہ جاتے۔ جب پورا سال گزر جاتا تو پھر دوبارہ اُس کام کے لئے پانسے ڈلواتے۔ غرض جب تک امر کا پانسا نہ نکلتا اُس کام کو نہ کرتے۔

اگر اُن کے درمیان کسی کے نسب میں جھگڑا ہوتا اور اُس کا فیصلہ پانسوں کے ذریعے سے چاہتے۔ تو ابن قداح وہ تین پانسے ڈالتا۔ جن پر منکم۔ اور من غیرکم۔ اور مُلصق لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اگر منکم والا پانسا نکلتا تو اُس آدمی کو جس کے نسب میں اُنہیں اشتباہ ہوتا اور اس کے بارہ میں جھگڑتے نہایت عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اُس کی انتہا درجہ کی تعظیم و تکریم کرتے۔ اور اگر من غیرکم والا پانسا نکلتا۔ تو اُس سے سخت نفرت کرتے اور علیحدہ ہو جاتے۔ اگر ملصق والا پانسا نکلتا تو وہ آدمی اُن کے نزدیک ویسا ہی مجہول النسب باقی رہتا۔ جیسا پہلے تھا۔ غرض ان تینوں پانسوں میں سے جو نسا پانسا نکلتا۔ اُس کے بموجب عمل واجب جانتے اور اس پر پورا اعتماد کرتے۔

اگر اُن کے درمیان مقتول کی دیت میں اختلاف ہوتا یعنی اُس کے قاتل کا پتا نہ چلتا۔ اور کسی ایک یا چند آدمیوں پر اُس کے قتل کا شبہ ہوتا۔ تو جن پر قتل کی تہمت ہوتی اُن کو ابن القداح کے پاس لیجاتے۔ ابن القداح وہ دو پانسے ڈالتا جن میں سے ایک پر عُقل لکھا ہوا ہوتا تھا اور ایک سادہ۔ جس کے نام پر عُقل والا پانسا نکلتا اس کو دیت کا بوجھ اٹھانا پڑتا۔ اور اگر سادہ نکلتا تو دوبارہ ڈالتا یہاں تک کہ کسی نہ کسی کے نام عُقل والا پانسا نکلتا۔ ان پانسوں کے ڈالنے کا طریق یہ تھا کہ ابن القداح اُن کو ایک تھیلے یا تلکے میں ڈالتا تھا پھر اس میں ہاتھ ڈالکر ایک اُن

میں سے نکال لیتا تھا[۱] ✦

واضح ہو کہ جاہلیت میں پانسے تین قسم کے تھے۔ ایک جوے کے جو تعداد میں دس تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسرے وہ جو ہر آدمی کے پاس رہتے تھے۔ یہ تین ہوتے تھے جنمیں سے ایک پر افعل۔ دوسرے پر لاتفعل لکھا ہوتا تھا۔ اور تیسرا سادہ ہوتا تھا۔ جب آدمی کوئی معمولی کام کرنا چاہتا تو خود انہیں ایک تھیلہ میں ڈالتا اور پھر اس میں ہاتھ ڈالکر ایک نکالتا۔ افعل والا نکلتا تو وہ کام کرتا اور لاتفعل والا نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیتا اور اگر سادہ نکلتا تو دوبارہ ڈالتا[۲] ✦

تیسری قسم کے پانسے وہ تھے جن سے فیصلے کئے جاتے تھے۔ وہ کعبہ کے متولی کے پاس رہتے تھے۔ اور فقط اہم امور میں ڈالے جاتے تھے۔ کعبہ کے علاوہ عرب کے ہر کاہن اور حاکم کے پاس بھی یہ پانسے رہتے تھے۔ ابوالفرج اصبہانی کہتے ہیں کہ لوگ کعبہ کی طرح ذی الخلصہ کے پاس بھی پانسے ڈالتے تھے چنانچہ امرء القیس شاعر جب اپنے باپ کا قصاص لینے کے ارادہ سے نکلا تو اس نے ذی الخلصہ کے پاس پانسے ڈالے۔ اور اس کے خلاف طبع پانسا نکلا۔ اس نے بت کو گالی دی اور ایک پتھر مارا اور یہ شعر پڑھا ؎

لو کنت یا ذا الخلص الموتورا	اے ذوالخلصہ اگر میری طرح تجھے صدمہ پہنچا
لم تنه عن قتل العداة زورا	ہوتا تو تو فریب دیکر دشمنوں کے قتل سے منع

نہ کرتا ✦

کہتے ہیں کہ امرء القیس کے بعد اسلام کے زمانہ تک پھر کسی نے ذوالخلصہ کے پاس پانسا نہیں ڈالا ✦

جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تو خدا تعالے نے اس فعل قبیح کو حرام فرمایا اور

---

[۱] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳ ✦ [۲] تفسیر ابن جریر ✦

فرمایا کہ یہ فعل منجملہ فسق کے ہے کما قال تعالےٰ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یعنی جو جانور کسی تھان پر ذبح کیا جائے وہ۔ اور پانسے ڈالنا حرام ہے اور یہ منجملہ فسق کے ہے *

سانڈ چھوڑنے کی رسم

جاہلیت کی مشہور اور قبیح رسموں میں سے ایک رسم سانڈ چھوڑنا تھی۔ جس کی بنیاد سب سے پہلے عمرو بن لُحَیّ خزاعی نے ڈالی تھی۔ اس بدبخت نے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے دین میں بہت سی بدعتیں نکالیں اور اہل عرب کو ان بدعتوں پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور اس کی سعی و کوشش سے بہت سی مذموم اور قبیح رسمیں اہل عرب کے دین میں داخل ہو گئیں *

عرب جاہلیت اپنے معبودوں کے نام پر چار قسم کے سانڈ چھوڑتے تھے۔ بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ۔ حام *

بحیرۂ بحر سے مشتق ہے جس کے معنی چیرنے اور شق کرنے کے ہیں۔ اس کی چند قسمیں تھیں۔ ایک یہ کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن چکتی اور اخیر کا بچہ نر ہوتا تو اس اونٹنی کا کان چیر کر اس کو چھوڑ دیتے۔ نہ اس کو ذبح کر سکتے۔ اور نہ اس پر سوار ہو سکتے۔ نہ اسے کوئی پانی سے ہٹا سکتا اور نہ چراگاہ سے روک سکتا یہ تفسیر بحیرہ کی زجاج نے بیان کی ہے *

دوسری قسم بحیرہ کی یہ تھی کہ اگر اونٹنی پانچواں بچہ نر دیتی تو اسے ذبح کر کے کھا لیتے اور اگر مادہ دیتی تو اس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے۔ جہاں اس کا جی چاہتا چرتی پھرتی نہ کوئی اس کا دودھ دوہتا۔ اور نہ کوئی اس پر سوار ہو سکتا اور نہ اس سے اور کسی قسم کی خدمت لے سکتا *

بعض اُس بکری کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے جو پانچ بچّے مادین دیتی تھی بعض اونٹنی کو پانچ اور بعض سات اور بعض دس بچّے دینے کے بعد اُس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے۔ بعض اونٹنی کے پہلونٹے نر بچہ کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے غرض یہ جانور بحیرہ کہلاتا تھا اور اس کو بتوں کے نام پر چھوڑا جاتا تھا۔ اس پر سب کا اتفاق تھا کہ اس سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے تھے لیکن اس کے گوشت اور دودھ میں ہر قبیلہ کی علیحدہ علیحدہ رسمیں تھیں۔ بعض اُس کا گوشت اور دودھ بالکل حلال نہیں جانتے تھے۔ نہ مردوں کے لئے اور نہ عورتوں کے لئے۔ بعض صرف عورتوں کے لئے حلال نہیں جانتے تھے۔ لیکن اگر وہ مر جاتا تو اُس کے گوشت کی عورتوں کو بھی کچھ ممانعت نہ تھی۔ مرد اور عورت سب اس کا گوشت کھاتے۔ بعض کا یہ مذہب تھا کہ زندگی میں تو اس کا گوشت کسی کو درست نہیں لیکن مر جائے تو مردوں کو اس کا کھانا درست ہے عورتوں کو جب بھی نہیں[1]۔

سائبہ۔ اس کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اونٹنی دس بچّے مادین دے چکتی تو اس کو خدمت سے آزاد کر دیتے۔ نہ کوئی اس پر سوار ہوتا۔ نہ اس کے بال کاٹتا اور نہ سوائے مہمان اور مسافر کے کوئی اس کا دودھ پیتا۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیگئی ہے کہ وہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو بتوں کے نام پر نذر کیجاتی اور خانہ کعبہ کے مجاوروں کو دیدی جاتی تھی۔ سوائے مسافر و محتاج کے کوئی اس کا دودھ نہ پیتا تھا۔ بعض کہتے ہیں وہ وہ اونٹ ہوتا تھا جو اپنے بچّے کا بچّا دیکھ لیتا تھا اُس کو وہ لوگ چھوڑ دیتے تھے اور کوئی اُس پر سوار نہیں ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی دور کے سفر سے واپس آتا۔ یا اُس کا جانور مشقت یا لڑائی سے نجات پاتا تو اس کو آزاد کر دیتا اور اس کی کمر چیر کر اُس میں سے ایک مہرہ یا ہڈی نکال لیتا۔ نہ کوئی اُسے اپنے پانی سے ہٹاتا۔

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

نہ چراگاہ سے رُوکنا اور نہ اُس پر سوار ہو سکتا۔ گویا یہ ان کی نذروں میں سے ایک نذر یہ
بھی جو اسوقت مانی جاتی تھی جب کوئی سفر سے آتا یا مرض سے شفا پاتا۔ یہ تفسیر ابوعبیدہ
نے بیان کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ وہ اونٹنی تھی جو حج کے لئے چھوڑ دی جاتی
تھی۔ چونکہ اہل عرب ان تمام اقسام کے سائبے چھوڑتے تھے۔ اسلئے آئمہ لغت نے
سائبہ کی مختلف تعریفیں بیان کیں۔ گویا یہ کل سائبہ کے اقسام ہیں۔ یعنی کوئی قبیلہ کسی
قسم کا سائبہ چھوڑتا تھا۔ اور کوئی کسی قسم کا*

وصیلہ۔ اس کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ فرّاء کہتے ہیں وہ وہ بکری ہوتی تھی۔
جو چھ مرتبہ دو دو پٹھیاں اور ساتویں مرتبہ ایک پٹھیا اور ایک بکرا دیتی۔ جب ساتویں
مرتبہ وہ ایک پٹھیا اور ایک بکرا دیتی تو وہ اس پٹھیا کی نسبت کہتے کہ یہ پٹھیا اپنے بھائی
سے مل گئی۔ لہذا اس کی ماں کا دودھ فقط مرد ہی پئیں عورتیں نہ پئیں۔ پھر یہ بکری
سائبہ کے قایم مقام سمجھی جاتی۔ زجاج کہتے ہیں اہل جاہلیّت کا یہ طریق تھا کہ اگر بکری
بکرا دیتی تو وہ بکرا اپنے معبودوں کے نام کردیتے۔ اور اگر پٹھیا دیتی تو اُسے اپنے
لئے رکھتے اور پٹھیا اور بکرا دونوں دیتی تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی۔
پھر وہ اس بکرے کو اپنے معبودوں کے نام پر ذبح نہ کرتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر
بکری پہلی بار بکرا دیتی اور دوسری بار پٹھیا تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی پھر
اُس پٹھیا کی وجہ سے اس کے بھائی کو بھی بتوں کے نام پر ذبح نہ کرتے۔ اور اگر
دوسری بار بھی بکرا ہی دیتی تو کہتے کہ یہ ہمارے معبودوں کی قربانی ہے۔ ابن عباس
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بکری سات بچے دے چکتی۔ اور ساتویں پٹھیا
ہوتی تو اُس پٹھیا کی کسی چیز سے عورتیں منتفع نہ ہو سکتیں البتہ اگر وہ مرجاتی تو اسے
مرد اور عورتیں سب کھاتے۔ اسی طرح اگر وہ ساتویں دفعہ پٹھیا اور بکرا دونوں دیتی
تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی اور وہ پٹھیا بکرے کے ساتھ چھوڑ دیجاتی اور

اُس سے بھی صرف مرد ہی فایدہ اٹھا سکتے عورتیں فایدہ نہ اٹھاتیں ۔ لیکن اگر وہ مرجاتی تو اُس کے گوشت میں مرد اور عورت سب شریک ہوتے ۔ ابن قتیبہؒ کا یہ قول ہے کہ اگر ساتواں بکرا ہوتا تو اس کو ذبح کر کے مرد کھاتے عورتیں نہ کھاتیں ۔ اور کہتے کہ یہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے ۔ ہماری بیویوں پر اس کا کھانا حرام ہے ۔ اور اگر ساتویں بار پٹھیا ہوتی تو وہ بکریوں میں چھوڑ دی جاتی ۔ اور اگر بکرا اور پٹھیا دونوں ہوتے تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی ۔ اور بکرے کے ساتھ پٹھیا کو چھوڑ دیتے ۔ اور اس سے فقط مرد ہی فایدہ اٹھاتے ۔ عورتیں فایدہ نہ اٹھاتیں ۔ لیکن اگر وہ مرجاتی تو مرد اور عورتیں سب اس میں شریک ہوتے ۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ وہ بکری ہوتی تھی جو پانچ بطنوں میں دس پٹھیاں متواتر دیتی تھی اس کے بعد جو بچہ دیتی تھی ۔ وہ خاص مردوں کے لئے ہوتا تھا عورتیں اس سے فایدہ نہیں اٹھا سکتی تھیں ۔ اور اگر اس کے بعد بکرا اور پٹھیا دونوں ایک ساتھ پیدا ہوتے تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی اور بھائی کی حرمت کے لحاظ سے بہن کو بھی ذبح نہ کرتے ۔ بعض کا قول ہے کہ وہ وہ بکری ہوتی تھی جو تین یا پانچ بار بیاتی ۔ اس کے بعد اگر بکرا دیتی تو اس بکرے کو ذبح کر لیتے اور پٹھیا دیتی تو اس کو باقی رکھتے اور اگر بکرا اور پٹھیا دونوں دیتی تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی ۔ اس لئے اس کے بھائی کو بھی ذبح نہ کرتے ۔ بعض کہتے ہیں وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو پہلی دفعہ بھی مادہ بچہ دیتی پھر اس کے بعد دوسری دفعہ بھی مادہ ہی بچہ دیتی اور ان کے درمیان نر واقع نہ ہوتا ۔ اس اُونٹنی کو وہ لوگ اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور کہتے کہ مادہ مادہ سے مل گئی ۔ اور ان دونوں کے درمیان نر واقع نہیں ہوا ۔ بعض کہتے ہیں وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو متواتر دس بیانت مادہ ہی بچے دیتی اور اُنکے درمیان کوئی نر واقع نہ ہوتا ۔

چونکہ مختلف قبایل میں مختلف قسم کے وصیلوں کا رواج تھا اس لئے اس کی

تفسیر میں بھی اختلاف ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ عرب میں وصیلوں کی یہ تمام قسمیں رائج تھیں[1]

(حام) چونکہ یہ بھی چند قسم کا ہوتا تھا اس لیئے اس کی تفسیر میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ فراء کا بیان ہے کہ جب نر اونٹ کی اولاد کی اولاد حاملہ ہوجاتی تو کہتے کہ اب اِس اونٹ کی کمر محفوظ ہوگئی پھر اس اونٹ کو چھوڑ دیتے۔ نہ اس کو پانی سے کوئی ہٹاتا اور نہ چراگاہ سے۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ وہ اونٹ ہوتا تھا جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو چکتے۔ اس کی نسبت کہتے تھے کہ اب اس کی پیٹھ محفوظ ہوگئی۔ پھر نہ اُس سے لادنے کا کام لیا جاتا تھا۔ نہ کوئی اس پر سوار ہوسکتا تھا۔ اور نہ اس کو پانی اور چراگاہ سے روکا جاتا تھا یہی قول ابو عبیدہ اور زجاج کا بھی ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ وہ نر اونٹ ہوتا تھا جو اپنے مالک کی اونٹنیوں سے دس سال تک جفتی کرتا رہتا تھا بعض کا قول ہے کہ وہ وہ اونٹ ہوتا تھا جسکے نطفہ سے پے درپے سات مادہ پیدا ہوتی تھیں۔ ایسے اونٹ کی پیٹھ بار برداری اور سواری کی زحمت سے محفوظ ہوجاتی تھی[1]

غرض جاہلیت میں مختلف قسم کے بحیروں۔ مختلف قسم کے سائبوں۔ مختلف قسم کے وصیلوں اور مختلف قسم کے حاموں کا رواج تھا۔ شریعت غراء اسلام نے ان تمام بیہودہ اور لغو رسموں کا ابطال کیا اور ان رسوم قبیحہ کی قباحت وشناعت ظاہر فرمائی

کما قال رب العلمین

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ	بحیرے اور سائبے اور وصیلے اور حام کی رسم خدا نے مقرر نہیں کی۔ بلکہ کافر

خدا پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور اکثر کافر بے عقل ہیں۔

فرع وعتیرہ

جاہلیت کی رسموں میں سے ایک رسم فرع اور عتیرہ تھی۔ یہ دو قربانیاں تھیں

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

جو بتوں کے نام پر کیجاتی تھیں۔ فرع کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک یہ کہ بکری اور اونٹ کا پہلوٹا بچہ اپنے بتوں کے نام پر ذبح کر کے کھاتے اور اس کی کھال درخت پر لٹکا دیتے۔ دوسری قسم یہ تھی کہ جب کسی کے پاس اس قدر اونٹ ہو جاتے جس قدر کی اس کو تمنا ہوتی تو ان میں سے ایک اونٹ بتوں کے نام پر ذبح کرنا۔ اسی طرح جب کسی کے پاس پورے سو اونٹ ہو جاتے تو ان میں سے ہر سال ایک اونٹ بتوں کے نام پر قربان کرنا۔ اور وہ اور اس کے گھر والے اس میں سے کچھ نہ کھاتے۔

عتیرہ - ایک قربانی تھی جس کو ماہ رجب میں بتوں کے لئے کرتے تھے اس کا نام رجبیہ بھی ہے۔

بعض لوگ یوں بھی کرتے تھے کہ کسی کام کے ہو جانے پر بھیڑ یا بکری کے قربانی کرنے کی منت مانتے۔ اور جب وہ کام ہو جاتا تو بھیڑ یا بکری کے بدلے ہرن ذبح کر دیتے۔ اور اس ہرن کو عتیرہ کہتے۔ لیکن عام طور پر لوگ اس فعل کو معیوب خیال کرتے تھے۔ کعب شاعر اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے ؎

وما عتر الظباء بحیّ کعب - یعنی کعب کے خاندان میں کبھی ہرن ذبح نہیں کیا گیا۔

جاہلیت کی رسموں میں سے ایک رسم معاقرت تھی جس کی تفسیر یہ ہے کہ دو شخص اپنے اپنے اونٹوں کے ذبح کرنے میں بازی بدتے۔ جو زیادہ اونٹ ذبح کرتا۔ وہ جیت جاتا۔ یہ بازی جوے کی طرح نہ تھی کہ اس میں کچھ مال بدا جاتا۔ بلکہ وہ لوگ فخر و مباہات کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ یعنی اس سے ہر شخص اپنی فیاضی جتاتا۔ اور جیتنے والا شخص ہارنے والے پر فخر کرتا۔ اور قوم میں زیادہ معزز گنا جاتا تھا۔ جو اونٹ اس طرح پر ذبح کئے جاتے تھے ان کا گوشت مفلس و محتاج لوگوں کے کام آتا تھا۔ معاقرت

اور اکثر ایسا قحط میں کرتے تھے۔

اسلام کے زمانہ میں بھی حضرت علیؓ کی خلافت میں ایک بہت بڑی مُعافرت ہوئی تھی۔ جس کا قصہ یوں ہے کہ ایک سال قحط کی وجہ سے اہل کوفہ سخت گرسنگی میں مبتلا ہوئے۔ جس کی وجہ سے اکثر آدمی جنگلوں میں نکل بھاگے۔ اور کوفہ کے بہت سے آدمی اطراف سماوہ میں جو کوفہ سے ایک دن کے راستے پر ہے جمع ہوئے۔ ان ایّام میں فرزدق شاعر کا باپ غالب اپنی قوم میں بڑا رئیس تھا۔ اُس نے اپنے گھر کے لوگوں کے لئے ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا تیار کیا۔ اور اس میں سے چند کٹھرے بھر کر بنی تمیم کے لوگوں کو بھیجے۔ اور ایک کٹھرا سُحیَم کو بھیجا۔ سُحیَم نے اس کو لیکر زمین میں اُلٹ دیا اور جو شخص لیکر آیا تھا اُسے خوب پیٹا۔ اور کہا کہ کیا میں غالب کے کھانے کا محتاج ہوں۔ پھر سُحیَم نے اپنے گھر والوں کے لئے ایک اونٹنی ذبح کی۔ اگلے دن غالب اور سُحیَم نے دو دو اونٹنیاں ذبح کیں اور تیسرے دن دونوں نے تین تین۔ چوتھے دن غالب نے سو اونٹنیاں ذبح کیں۔ چونکہ سُحیَم کے پاس اس قدر اونٹنیاں نہیں تھیں اس لئے اُس نے ایک اونٹنی بھی ذبح نہیں کی۔ جب قحط اور گرسنگی کا زمانہ گزر گیا اور لوگ کوفہ میں واپس آ گئے تو بنی ریاح نے سُحیَم کو طعنہ دیا اور کہا کہ تو نے ہمیشہ کے لئے ہماری ناک کٹا دی۔ تو نے غالب کے برابر اونٹ کیوں نہیں ذبح کئے۔ ہم تجھے ہر اونٹنی کے عوض دو اونٹنیاں دیتے۔ سُحیَم نے یہ عذر کیا کہ اسوقت میرے اونٹ موجود نہیں تھے۔ پھر اس نے تین سو اونٹ ذبح کئے۔ یہ واقعہ حضرت علیؓ کی خلافت میں واقع ہوا۔ آپ نے لوگوں کو ان کا گوشت کھانے کی ممانعت فرما دی۔ اور فرمایا کہ یہ اونٹ غیر خدا کے لئے ذبح کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذبح کرنے سے غرض فخر و مباہات ہے۔ غرض ان اونٹوں کا گوشت کوفے کی کوڑیوں پر ڈال دیا گیا۔ اور کتوں اور عقاب اور چیلوں کے کام آیا۔ کسی آدمی

نے اُس کو نہ چھوا[1]۔

نسئی

یعنی مہینوں کو پیچھے ہٹانیکی رسم

منجملہ رسوم جاہلیت کے ایک رسم نسئی تھی۔ یعنی ماہ حرام کی حُرمت کو موخر کرنا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جناب حضرت سیدنا ابراہیم اور اُن کے صاحب زادے اسمٰعیل علیہما السلام نے خدا کے حکم سے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے تھے۔ جن میں چار مہینے محرم۔ رجب۔ ذیقعد۔ ذی الحجہ۔ حرمت والے قرار دیئے تھے۔ یعنی ان میں کُشت وقتال حرام تھا۔ جاہلیت کے لوگ ان مہینوں کی حرمت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ان میں کُشت وقتال حرام جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس میں یہ بدعت نکالی تھی۔ کہ ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے۔ جب اُن کو ان مہینوں میں سے کسی مہینے میں قتال کرنیکی ضرورت پڑتی تو اُسکی حُرمت کو موخر کر دیتے۔ یعنی اس مہینے کو حلال اور اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرام کر لیتے۔ مثلاً محرم کا نام صفر اور صفر کا نام محرم رکھدیتے۔ اور کہتے کہ اس سال محرم کا مہینا پیچھے ہٹ گیا ہے یعنی یہ صفر ہے اور محرم صفر کے بعد آئے گا۔ اس طرح اپنی سن سمجھوتی کر کے وہ محرم کو حلال کر لیتے اور صفر کو حرام۔ اگر صفر میں بھی انہیں قتال کی ضرورت پڑتی تو اسے بھی حلال کر لیتے۔ اور اُس کی بجائے ربیع الاول کو حرام کر دیتے۔ اور کہتے کہ اس سال محرم صفر اور ربیع الاول کے بعد آئے گا۔ اسی طرح جب رجب میں قتال کی ضرورت پڑتی تو اس کا نام شعبان اور شعبان کا نام رجب رکھدیتے۔ اور کہتے کہ اس سال رجب شعبان کے بعد آئے گا اور اس طرح اپنے دل کو سمجھا کر رجب کو حلال کر لیتے اور

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

اُس کی جگہ شعبان کو حرام کر دیتے۔ اگر شعبان میں بھی قِتال کی ضرورت پڑتی تو اسے بھی حلال کر لیتے اور اس کی جگہ رمضان کو حرام قرار دیتے۔ غرض سب مہینوں کے ساتھ اسی طرح کرتے یہانتک کہ تحریم سال کے کل مہینوں کی طرف چکر کھاتی پھرتی کبھی سال تیرہ یا چودہ مہینوں کا بنا لیتے اور اُن زاید مہینوں کو حرام کرتے۔ تاکہ قتال کے لئے اُنہیں وقت زیادہ ملے۔ غرض مہینوں کی حرمت کے باب میں مجرد عدد کا لحاظ رکھتے۔ نہ مہینوں معینہ کی خصوصیت کا[۱]۔

شیخ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ عرب جاہلیت چند طرح پر مہینوں کو مؤخر کرتے تھے۔ بعض محرم کا نام صفر رکھدیتے اور اُس میں قتال حلال کر لیتے۔ اور صفر کا نام محرم رکھدیتے اور اُس میں قتال حرام کر لیتے۔ بعض ایک سال محرم میں قتال حرام جانتے اور ایک سال صفر میں۔ بعض دو سال محرم میں قِتال حرام جانتے اور دو سال صفر میں۔ بعض صفر کو ربیع الاول کی طرف مؤخر کر دیتے اور ربیع الاول کو ربیع الثانی کی طرف۔ اسی طرح سب مہینوں کے ساتھ کرتے۔ یہاں تک کہ شوال ذیقعدہ ہو جاتا۔ اور ذیقعدہ ذی الحجہ۔ پھر ذی الحجہ کے بعد ایک اور مہینا بڑھا لیتے۔

سب سے پہلے جس شخص نے نَسِیٔ کی رسم کو جاری کیا۔ وہ ایک شخص مالک بن کنانہ کی نسل سے تھا۔ جس کا اصلی نام حُذَیفَہ اور مشہور نام قَلَمَّس[۲] تھا۔ اس کا نسب نامہ یہ ہے۔ حُذَیفَہ بن فُقَیم بن عامر بن الحارث بن مالک بن کنانہ بن خُزَیمَہ۔ ایک شاعر

---

[۱] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔ [۲] قلمّس کے معنی بحر ذخّار کے ہیں۔ چونکہ یہ شخص سمندر کی طرح علم سے پُر تھا اس لئے اس کا یہ لقب رکھا گیا۔ پھر اس کے بعد اَور بہت سے شخصوں کا یہی لقب ہوا۔ ان سب کو قلامسہ کہتے ہیں۔ مہینوں کی حلّت و حُرمت کے باب میں اہل عرب اِنہیں کے قول کا اعتبار کرتے تھے۔ اور یہی مہینوں کو ادلتے بدلتے اور آگے پیچھے کرتے رہتے تھے۔

کہتا ہے۔ کہ ؎

ومنا ناسئ الشھر القلمس	مہینوں کو پیچھے ہٹانیوالا قلمس ہمارے ہی خاندان

میں سے تھا ؛

عُمیر بن قیس جو مالک بن کنانہ کی نسل سے ہے کہتا ہے کہ ؎

ونحن الناسئون علی معدٍّ شھور الحلّ نجعلھا حراما	مُعدّ بن عدنان کی اولاد میں مہینوں کے پیچھے ہٹانے کی رسم ہم ہی نے جاری کی

ہے ہم وہ ہیں جو حلال مہینوں کو حرام کر دیتے ہیں ؛

ایک اَور شاعر کہتا ہے۔ کہ ؎

لھم ناسئ یمشون تحت لوائہ یحلّ اذا شاء الشھور ویحرم	اُن کے لئے مہینوں کو پیچھے ہٹانیوالا ایک سردار ہے جسکے جھنڈے تلے وہ لڑائی کے

لئے چلتے ہیں۔ وہ سردار جب چاہتا ہے مہینوں کو حلال کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے حرام کر دیتا ہے ؛

خدا تعالےٰ نے ان تمام باتوں کو گمراہی اور کفر قرار دیا اور فرمایا کہ

اِنَّ عِدَّۃَ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات والارض منھا اربعۃ حرم ذٰلک الدین القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین ہ انما النسئ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما ویحرمونہ عاما لیواطئوا	مہینوں کی تعداد خدا کے نزدیک جس روز اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس کی کتاب میں بارہ مہینے قرار پا چکی ہے۔ جن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ دین کا یہی سیدھا رستہ ہے سو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور سب مل کر مشرکین سے لڑو جیسے وہ سب ملکر تم سے لڑتے ہیں اور یہ جان لو کہ خدا متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں

علۃ ما حرم اللہ فیحلوا ما حرم اللہ زین لھم سوء اعمالھم واللہ لا یھدی القوم الکافرین ہ

کو پیچھے ہٹانا کفر میں بڑھنا ہے جس سے کافر گمراہ ہو رہے ہیں۔ ایک سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام تاکہ جو تعداد خدا نے حرام کی ہے۔ اس کو پورا کر دیں اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال کر لیں۔ اُن کے بُرے عمل ان کو اچھے دکھلائی دیتے ہیں اور اللہ قوم کفار کو ہدایت نہیں کرتا۔

وادِ بنات و قتلِ اولاد

جاہلیت کی سب سے زیادہ مذموم اور قبیح رسموں میں سے وادِ بنات اور قتل اولاد ہے۔ واد کے معنی زندہ در گور کرنے کے ہیں یعنی عرب جاہلیت اپنی لڑکیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ یہ بد رسم عرب کے تمام قبیلوں میں جاری تھی۔ لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے اور اولاد کے قتل کرنے میں عرب کے لوگوں کی غرضیں مختلف تھیں۔ اکثر اس لئے دفن کرتے تھے کہ بعض اوقات لڑکیوں کی وجہ سے انہیں عار لاحق ہوتی تھی۔ کیونکہ عرب میں ہمیشہ کشت و قتال اور خوں ریزیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اور عام طور پر لوٹ مار جاری تھی جو فریق کسی فریق پر چڑھائی کرتا تھا۔ وہ اس کی عورتوں اور لڑکیوں کو گرفتار کر لیجاتا تھا اور پھر اُن کے ساتھ اپنی حاجت پوری کرتا تھا۔ اس لئے اُن کی حمیت اور غیرت ان کو اپنی لڑکیوں کے مار ڈالنے پر مجبور کرتی تھی۔ بقول شخصیکہ خس کم جہاں پاک نہ لڑکیاں ہوں گی نہ اُن کی وجہ سے اُن کو عار لاحق ہوگی بنی تمیم اور کندہ اور ربیعہ اور اکثر قبائل اسی خوف سے اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے ہیدانی نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بنی تمیم نعمان بن منذر کو خراج دیا کرتے تھے پھر انہوں نے اُسے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ نعمان نے اپنے بھائی ریان کو

ایک دستہ فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے اُن پر چڑھائی کے لئے بھیجا۔ اُس نے ان کے اونٹ پکڑ لئے اور اُن کی ذریات کو قید کر لیا۔ اس کے بعد بنی تمیم کے چند معزز آدمی نعمان بن منذر کے پاس گئے اور اُس سے اپنی ذریات کے رہا کر دینے کی درخواست کی۔ نُعمان نے اس بارہ میں یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کو اختیار دیدیا۔ اور یہ حکم دیا کہ جو عورت اپنے شوہر کے ساتھ جانا چاہے وہ چلی جائے۔ جب عورتوں کو اختیار دیا گیا تو ان میں اختلاف ہوا۔ بعض نے اپنے شوہروں کے ساتھ جانا پسند کیا اور بعض نے نہیں۔ انہیں عورتوں میں قیس بن عاصم کی ایک لڑکی بھی جس نے اپنے شوہر پر اپنے قید کرنے والے کو ترجیح دی۔ اسوقت سے قیس بن عاصم نے نذر کی کہ جو لڑکی اسکے پیدا ہوگی اُس کو زمین میں زندہ گاڑ دے گا۔ چنانچہ اُس نے دس سے زاید لڑکیاں زندہ گاڑیں ؎

بعض کا بیان ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس قبیلہ نے لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ربیعہ ہے۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ ان پر کسی قبیلہ نے لوٹ ڈالی۔ جس میں اُن کے ایک امیر کی بیٹی بھی لوٹی گئی۔ جب دونوں فریق میں باہم صلح ہوگئی تو اس کو اُس کے باپ نے مانگا۔ اُدھر سے اس کو یہ اختیار دیدیا گیا کہ چاہے اپنے باپکے پاس رہے اور چاہے اسکے پاس رہے جسکے پاس ہے اس نے اپنے باپ پر اس کو ترجیح دی جس کے پاس وہ بھی۔ اس کی اِس حرکت سے اس کا باپ غصہ میں بھر گیا اور اپنی قوم کیلئے لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے کی تجویز نکالی۔ انہوں نے اس خوف سے کہ کہیں پھر کوئی اسی قسم کا واقعہ نہ ہو اس تجویز کو بخوشی منظور کیا اور رفتہ رفتہ تمام عرب میں یہ رسم پھیل گئی۔ ان دونوں روایتوں میں کچھ تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعہ ہوئے ہوں ؎

بعض لوگ فقط اُن لڑکیوں کو گاڑتے تھے جو کنجی یا سانولی ہوتیں۔ یا اُنہیں

قصہ سودہ بنت زہرہ کاہنہ

برص کی بیماری ہوتی - یا اُن کے پہلو پر داغ ہوتے - کیونکہ وہ ان صفات کو موجب نحوست جانتے تھے - چنانچہ سودہ بنت زہرہ بن کلاب کا قصہ اسی قبیل سے ہے - وہ قصہ یہ ہے کہ جب وہ ان صفات میں سے بعض صفات پر پیدا ہوئی[1] اور اسکو اس کے باپ نے ان صفات پر دیکھا تو اس کے زندہ گاڑنے کا حکم دیا - اور اُسے حجون بھیجا تاکہ وہاں دفن کر دیجائے - جب گڑھا کھودنے والا اسکے لئے گڑھا کھود چکا اور اُس نے اس کے دفن کا ارادہ کیا تو اس نے ایک ہاتف کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ لا تئد الصبیة وخلها البریة اس لڑکی کو دفن نہ کر - اور اسے جنگل میں چھوڑ دے اُس نے ادھر اُدھر نظر اُٹھا کر دیکھا تو اسے کوئی شے نظر نہ آئی - جب اس نے پھر اُس کے دفن کرنے کا ارادہ کیا - تو پھر ہاتف کی آواز سنی کہ اسی مضمون اور معنی کی دوسری مقفیٰ عبارت بول رہا ہے - گڑھا کھودنے والا حیران ہو گیا اور فوراً اُس کے باپ کے پاس لوٹ کر گیا اور جو کچھ سنا تھا اس سے اس کو آگاہ کیا - اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کی کوئی عجیب حالت ہوگی - اور یہ کسی بڑے مرتبہ پر پہنچے گی - پھر اُس کے دفن کرنے کا خیال دل سے دور کیا اور ہاتف کے اشارہ کے مطابق اُس کو جنگل میں چھوڑ دیا - چنانچہ یہ لڑکی قریش کی بڑی کاہنہ ہوئی - منجملہ اس کی کہانت کے ایک یہ بات ہے کہ ایک دن اس نے بنی زہرہ سے کہا کہ تم میں ایک لڑکی ایسی ہے جو نذیرہ ہوگی یا اُس کے بطن سے ایک نذیر پیدا ہوگا - تم اپنی لڑکیاں مجھ پر پیش کرو - بنی زہرہ کی عورتوں نے اپنی لڑکیاں اس پر پیش کیں - اس نے ان سب کو دیکھا اور ہر ایک کی بابت ایک ایک پیشین گوئی کی جو ایک زمانہ کے بعد پوری ہوئیں - جب اس پر آمنہ بنت وہب پیش کی گئیں تو ان کی نسبت اس نے کہا کہ یہ لڑکی خود نذیرہ ہوگی یا اس کے بطن سے ایک نذیر پیدا ہوگا *

[1] یعنی کنجی اور سانولی *

یہ قصہ بہت بڑا ہے جسے ابوبکر نقاش نے ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے۔ کہ اُس عورت نے جہنم کا نام لیا۔ یہ لفظ عرب نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ جب لوگوں نے اس کی زبان سے یہ لفظ سنا تو اُس سے پوچھا کہ جہنم کیا ہے۔ اُس نے کہا جہنم کی خبر تمہیں نذیر دیگا۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ عبدالمطلب نے جو اپنے بیٹے عبداللہ کیلئے بنی زہرہ میں سے آمنہ خاتون کو پسند کیا اس کا باعث سودہ بنت زہرہ کاہنہ کا قول تھا جو اس نے آمنہ خاتون کے بارہ میں کہا تھا کہ اس کے بطن سے ایک نذیر پیدا ہوگا۔ یہ سودہ آمنہ کے والد ماجد وہب کی پھوپھی تھی اس کے بعد حلبی نے سودہ کا وہ حال بیان کیا ہے جو اوپر گزرا۔ غرض بعض قبیلے اس قسم کی لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے۔ بعض لوگ فقر اور محتاجی کے خوف سے بھی اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ یہ لوگ بعض قبایل عرب کے فقیر تھے۔ جو اس خوف سے لڑکیوں کو مار دیتے تھے کہ ان کے لئے کھانے کو کہاں سے آئیگا +

بعض لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذر مانتے تھے کہ اگر ہمارے دس بیٹے ہو جائینگے تو ان میں سے ایک کو خدا یا کعبہ کے نام پر قربان کریں گے۔ جیسا کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ کیا جس کا قصہ امام المحدثین ابن شہاب زہری۔ یزید بن رومان اور صالح بن کیسان رضی اللہ عنہم نے یوں بیان کیا ہے کہ جب عبدالمطلب کو یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تو اس نے یہ تصور کر کے کہ بیٹے کا ذبح کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ یہ نذر مانی کہ اگر میرے دس لڑکے پیدا ہوں اور اُن کو اپنی زندگی میں چلتا پھرتا جوان دیکھ لوں تو ان میں سے ایک کو اپنے پروردگار کے شکریہ میں خانہ کعبہ کے نام پر ذبح کرونگا۔ جب اُن کی نذر کی تعداد پوری ہوگئی اور انہوں نے اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے چلتا پھرتا دیکھا تو اُن سے کہا کہ بیٹو میں ایک نذر مان چکا ہوں جس کا

عبداللہ کے ذبح ہونیکا قصہ

تمہیں پہلے سے علم ہے اب کہو تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا ابّا جان آپ مختار ہیں جیسا آپ کی سمجھ میں آئے ویسا کیجئے۔ ہم ہر طرح آپ کے تابعدار ہیں۔ ہم کو کوئی عذر نہیں ہے۔ عبدالمطلب نے کہا تم سب اپنے اپنے پانسے لاؤ اور ان پر اپنے نام لکھدو۔ انہوں نے اپنے اپنے پانسے پر اپنا اپنا نام لکھکر سب پانسے عبدالمطلب کو دیدیئے۔ عبدالمطلب نے پانسے اپنے ہاتھ میں لیکر یہ رجز پڑھا ؎

عاهدته وانا موفٍ عهده	میں نے خدا سے عہد کیا ہے اور میں ضرور اپنا عہد پورا کرونگا اور اللہ کی پوری پوری تعریف کوئی نہیں کرسکتا وہ میرا مولا ہے اور میں اس کا بندہ۔ میں نے ایک نذر مانی ہے جس کو میں ٹلانا نہیں چاہتا اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کے پورا کرنے کے بعد میں زندہ رہوں ◆
والله لا یحمد شیئ حمده	
اذ کان مولای وکنت عبده	
نذرت نذرا لا احب رده	
ولا احب ان اعیش بعده	

پھر پانسے ڈالنے کے لئے امین قداح کو بلایا جو اس کام پر مقرر تھا اور پانسے اس کے ہاتھ میں دیکر کہا کہ یہ پانسے ڈال لیکن ذرا جلدی نہ کرنا۔ عبدالمطلب کو اپنے بیٹوں میں عبداللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ امین قداح نے جب پانسے ڈالے تو عبداللہ کے نام کا پانسا نکلا۔ عبدالمطلب نے چھری اپنے ہاتھ میں لی اور عبداللہ کو خانہ کعبہ میں لائے اور ان کو اساف ونائلہ کے درمیان لٹاکر یہ رجز پڑھا ؎

عاهدته وانا موفٍ نذره	میں نے خدا سے عہد کیا ہے اور میں اپنی نذر پوری کروں گا اور خدا کی پوری پوری قدر کوئی نہیں کرسکتا یہ میرا بیٹا ہے جسے میں ذبح کرنا چاہتا ہوں اگر خدا اسے بچالے گا تو اس کا عذر قبول کریگا ◆
والله لا یقدر شیئ قدره	
هذا بنی قد ارید نحره	
وان یؤخره یقبل عذره	

یہ رجز پڑھکر عبد المطلب عبد اللہ کو ذبح کرنا چاہتے تھے کہ اتنے میں ان کے بیٹے ابو طالب نے جو عبد اللہ کے سگے بھائی تھے جلدی سے کود کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ رجز پڑھا ؎

کلا و رب البیت ذی الانصاب	تم جو چاہتے ہو یہ ہرگز نہ ہوگا اس خانہ کعبہ کے
ماذبح عبد اللہ بالتلعاب	پروردگار کی قسم جس میں بت کھڑے ہیں
یا شیب ان الریح ذو عقاب	عبد اللہ یوں کھیل کھیل میں ذبح نہیں کیا جاسکتا
ان لنا مرۃ فی الخطاب	اے شبیہ (عبد المطلب کا نام ہے) بدلہ لینے
اخوال صدق کاسود الغاب	والی ہوا چل رہی ہے ہماری طرف سے جھگڑنے کیلئے

ہمارے سچے ماموں ہیں جو شجاعت میں بن کے شیر ہیں۔

ابو طالب کا یہ رجز جب ان کے ماموؤں بنی مخزوم نے سنا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا بھانجا سچ کہتا ہے اور فوراً کود کر عبد المطلب کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو الحارث ہم اپنے بھانجے کو ہرگز ذبح نہیں کرنے دینگے۔ یہ تم کو اختیار ہے کہ اس کے سوا اپنے بیٹوں میں سے جس کو چاہو ذبح کرو۔ عبد المطلب نے کہا میں نے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی اور پانسا اس کے نام نکلا ہے۔ اب میں اس کو بغیر ذبح کیئے نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہم میں سے ایک جان بھی باقی ہے اسوقت تک تو آپ اس کو ہرگز ذبح نہیں کرسکتے۔ اگر آپ کو منظور ہے تو ہم اپنا نیا پرانا سارا مال اس کے فدیہ میں دینے کیلئے موجود ہیں۔ اس کے بعد مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم نے یہ رجز پڑھا ؎

یا عجباً من فعل عبد المطلب	عبد المطلب کے فعل سے بڑا تعجب ہے کہ وہ اپنے
وذبحہ ابناً کتمثال الذھب	بیٹے کو جو سونے کی مورت ہے ذبح کرتا ہے
کلا و بیت اللہ مستور الحجب	قسم ہے خدا کے گھر کی جس پر پردہ پڑے ہوئے

ماذ بح عبد اللہ فینا باللعب	ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوگا یوں کھیل کھیل میں ہماری
فدون ما یبغی خطوب تضطرب	آنکھوں کے سامنے عبداللہ ذبح نہیں کیا جا

سکتا۔ جو عبدالمطلب چاہتا ہے اس سے ورے بڑی بڑی رکاوٹیں اور مصیبتیں ہیں۔

پھر سردار قریش عبدالمطلب کی طرف دوڑے اور کہا کہ اے ابوالحارث یہ بات جس کا آپ نے قصد کیا ہے۔ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ بہت بڑی بات ہے۔ اگر آپ اپنے بیٹے کو ذبح کرینگے تو اس کے بعد آپ کی زندگی تلخ ہو جائیگی۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ابھی آپ اس کام میں جلدی نہ کریں۔ اور اپنے ارادہ پر قائم رہیں۔ ہم آپ کو بنی سعد کی کاہنہ عورت کے پاس لئے چلتے ہیں۔ وہ جس بات کا آپ کو حکم دے آپ اس کے مطابق کریں۔

چونکہ عرب میں عموماً سب لوگ کہانت کو حق جانتے تھے اسلئے عبدالمطلب اس پر راضی ہو گئے اور کہا کہ تمہاری یہ تجویز مجھے منظور ہے۔ پھر عبدالمطلب بنی مخزوم کی ایک جماعت کے ہمراہ ملک شام کو روانہ ہوئے اور کاہنہ کے پاس پہنچے۔ کاہنہ سے عبدالمطلب نے اپنا سارا حال بیان کیا اور یہ رجز پڑھا ؎

یارب انی فاعل لما ترد	پروردگار میں وہی کرونگا جو تو چاہے گا۔ اگر تو
ان شئت الهمت الصواب والرشد	چاہے تو ٹھیک اور حق بات کا ہمیں الہام کردے
یاسائق الخیر الی کل بلد	اے وہ ذات جو ہر شہر کیطرف خیر کو ہنکا کرلیجاتا
قد زدت فی المال واکثرت العدد	ہے تو نے ہی میرا مال اور آدمی بڑھائے ہیں۔

کاہنہ نے کہا آج مجھے فرصت نہیں ہے۔ آج تو تم چلے جاؤ کل میرے پاس آنا۔ ناچار اس کے پاس سے اپنی فرودگاہ میں لوٹ آئے اور اگلے روز پھر اس کے پاس گئے۔ اور اس سے سارا حال بیان کیا۔ اس نے پوچھا تمہارے ہاں آدمی کی دیت کتنی مقرر ہے۔ انہوں نے کہا دس اونٹ۔ اس نے کہا تو اب تم اپنے شہر

کو واپس جاؤ اور وہاں جاکر دس اونٹوں اور اس لڑکے کے درمیان جسکے ذبح کرنے کا تم ارادہ کرتے ہو پانسے ڈالو۔ اگر پانسا اونٹوں پر پڑے تو انہیں اس کی عوض ذبح کردو۔ اور اگر تمہارے لڑکے پر پڑے تو دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ اور پانسے ڈالتے جاؤ یہاں تک کہ کسی مقدار پر تمہارا پروردگار تم سے راضی ہو جائے۔

کاہنہ کا یہ فیصلہ سُن کر وہ لوگ مکے واپس آئے اور سب نے ملکر عبدالمطلب سے کہا کہ اے ابوالحارث تم کو ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرنا چاہیئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اُنھوں نے کس طرح اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلہ دُنبہ قربانی کیا۔ تم اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سردار ہو تمہیں ضرور ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا خیال دل سے دور کرو اور اس کے بدلے اپنا مال قربان کردو۔

اگلے روز عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ اور دس اونٹوں کو اپنے ساتھ لیکر مذبح میں پہنچے۔ اور پانسا ڈالنے والے کو بلایا اور ایک پانسا اپنے بیٹے کے نام پر کیا۔ پھر پانسا ڈالنے والے کو پانسے دیکر کہا کہ پانسا ڈال۔ لیکن اطمینان سے ڈالنا جلدی نہ کرنا۔ جب اس نے پانسا ڈالا تو عبداللہ کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے دس اونٹ اَور بڑھا دیئے۔ اس نے پھر پانسا ڈالا تو پھر عبداللہ کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے دس اونٹ اَور بڑھا دیئے۔ اسی طرح ہر مرتبہ عبداللہ کے نام پانسا پڑتا رہا اور عبدالمطلب ہر دفعہ دس اونٹ بڑھاتے رہے یہانتک کہ پورے سو اونٹ ہوگئے۔ جب سو اونٹوں اور عبداللہ کے نام پانسا ڈالا گیا تو پانسا اونٹوں کے نام نکلا۔ اسوقت عبداللہ اور تمام قریش نے خوش ہو کر تکبیر کا نعرہ مارا۔ اور قریش نے عبدالمطلب سے کہا کہ ابوالحارث خدا کا شکر کرو کہ تمہارا پروردگار بھی راضی ہوگیا اور تمہارا بیٹا بھی ذبح ہونے سے بچ گیا۔ عبدالمطلب نے کہا ابھی میں اس بات کو نہیں مانتا جب تک میں تین بار پانسا نہ ڈال لوں۔ غرض عبدالمطلب نے دوبارہ پانسا ڈلوایا لیکن

وہ بھی اونٹوں کے نام نکلا پھر تیسری بار پانسا ڈلوایا تو وہ بھی اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ اس وقت عبدالمطلب کو یہ یقین ہوگیا کہ ان کا پروردگار ان کے بیٹے کا فدیہ لینے سے رضی ہوگیا پھر انہوں نے یہ رجز پڑھا ؎

دعوت ربی مخلصًا وجهرا	میں نے اخلاص کے ساتھ اور بآواز بلند اپنے پروردگار
یارب لا تنحر بنیّ نحرا	سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار میرا بیٹا ذبح نہ ہو
وفادِ بالمال تجد لی وفرا	اور اس کے فدیہ میں مال قبول کرلے۔ میرے
اعطیك من کل سوام عشرا	پاس بہت سا مال موجود ہے ہیں تجھے ہر قسم کے
عفوا ولا تشمت عیونا خزرا	چرنے والے جانوروں میں سے دس دس دونگا
بالواضح الوجه المغشی بدرا	پروردگار معاف فرما اور ایک ایسے حسین وجمیل
فالحمد لله الاجل شکرا	روشن رو کو جس کے آگے چودھویں رات کا چاند
فلست والبیت المغطی سترا	بھی ماند ہے ذبح کراکر ہمارے دشمنوں کو خوش
مبدلا نعمة ربی کفرا	نہ کر سو اللہ بزرگ و برتر کا شکر ہے جس نے ہماری
ما دمت حیا اوازور القبرا	سن لی قسم ہے خانہ کعبہ کی جس پر پردہ پڑے

ہوئے ہیں۔ جب تک میں زندہ رہونگا اور قبر میں نہ جا سوؤنگا اسوقت تک اپنے پروردگار کی نعمت کو کفر سے نہیں بدلونگا +

پھر عبدالمطلب نے اپنے عمدہ اور بیش قیمت اونٹوں میں سے عبداللہ کے فدیہ میں سو اونٹ قربان کیے اور جہاں وہ قربان کیے تھے وہیں چھوڑ دیئے گئے تاکہ جو کوئی آئے اُن کا گوشت کھائے اور جسقدر ضرورت ہو اپنے گھر لیجائے۔ نوبت بہ نوبت ہر جگہ کے آدمی آتے تھے اور اُن کا گوشت بھون کر کھاتے اور گھر کو لیجاتے کسی کو ممانعت نہ تھی۔ اس روز سے آدمی کی دیت سو اونٹ قرار پاگئی ورنہ اس سے پہلے دس اونٹ تھی[1]

[1] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳ +

پھر عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر شادان و فرحاں کو لوٹے
اور اُس روز سے عبداللہ کو لوگ ذبیح کہنے لگے اور یہ اُن کا لقب پڑ گیا۔ بیان کیا جاتا ہے
کہ جناب سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیحوں
کا بیٹا ہوں دو ذبیحوں سے مراد حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور حضرت عبداللہ ہیں

بعض لوگ اس خیال سے بھی اپنی بیٹیوں کو گاڑ دیتے تھے کہ وہ فرشتوں کو خدا کی
بیٹیاں خیال کرتے تھے۔ پس وہ براہ جہالت اس جنس کو اپنے پاس رکھنا پسند نہیں
کرتے تھے جس کو انہوں نے خدا کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اور یہ اُن دوہرا احمقا
پن تھا

لڑکیوں کے دفن اور قتل کرنے کی کیفیت مختلف تھی ایک یہ طریق تھا کہ جب
کسی کے لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو اُسے صوف یا بالوں کا ایک
جبّہ پہنا دیتا اور چند اونٹ یا بکریاں اس کی سپرد کر کے ان کے چرانے کے لئے اسے
جنگل میں چھوڑ دیتا وہ جنگل میں اس کے اونٹ اور بکریاں چرایا کرتی۔ اور اگر اس کو
مارنا چاہتا تو اُس سے کوئی کام نہ لیتا۔ جب چھ برس کی ہو جاتی تو اس کی ماں سے کہتا
کہ اس کو خوب بنا سنوار کر آراستہ کر اور خوشبو سے معطر کر میں اس کو اس کے اقارب
میں لئے جاتا ہوں۔ پھر جنگل میں اس کے لئے ایک کنواں کھودتا اور اس کو اس کنوئیں
پر لے جاتا اور اُس سے کہتا کہ اُس کے اندر جھانک۔ جب وہ جھانکتی تو اسکو پیچھے سے
دھکا دیکر اس کے گرا دیتا۔ پھر اس کے اوپر مٹی ڈال کر کنوئیں کو بند کر دیتا[1]

وضین رضی سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی
خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے پچھلے گناہ کیونکر معاف
ہونگے ہم لوگ جاہل اور بت پرست تھے اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے چنانچہ میری ایک لڑکی

---

[1] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳

تھی جب وہ چند سال کی ہو گئی اور جواب دینے لگی تو میں اُس کے مار ڈالنے کے درپے ہوا۔ وہ لڑکی میری نہایت فرمانبردار اور مطیع تھی۔ جب میں اُسے اپنے پاس بلاتا تھا۔ تو نہایت خوش ہوتی تھی اور دوڑ کر میرے پاس چلی آتی تھی۔ ایک دن میں نے اُسے بلایا اور کہا کہ میرے ساتھ چل۔ وہ خوشی سے میرے پیچھے پیچھے ہولی۔ میں اُسے اپنے خاندان کے ایک کنوئیں پر جو میرے گھر سے بہت دور نہیں تھا لے گیا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے اُسے اُس کنوئیں میں دھکیل دیا۔ وہ مجھے ابّا جان ابّا جان کہہ کر پکارتی رہی۔ لیکن مجھے اس پر ذرا رحم نہ آیا۔ اور اسے دھکیل کر فوراً وہاں سے چل دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کا یہ بیان سنکر رونے لگے اور اسقدر روئے کہ آنسوؤں سے آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ جاہلیّت کی خطائیں خدا تعالےٰ نے معاف فرمائیں۔ اب آیندہ کو اچھے عمل کر۔[1]

دوسرا طریق لڑکیوں کے گاڑنے کا یہ تھا کہ مرد نکاح کرتے وقت عورت سے یہ شرط کر لیتا کہ اگر اُس کے لڑکیاں پیدا ہوں تو وہ ایک لڑکی زندہ رکھے اور ایک گاڑ دے۔ جب وہ لڑکی پیدا ہوتی جس کے گاڑنے کی شرط ہوتی۔ تو مرد عورت سے یہ کہکر باہر نکل جاتا کہ میں باہر جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔ اگر تو نے میرے واپس آنے تک اُسے زندہ درگور نہ کیا تو جس طرح میری ماں کی پیٹھ مجھ پر حرام ہے اسی طرح تو مجھ پر حرام ہے۔ اُس کے باہر چلے جانے کے بعد وہ عورت اُس لڑکی کے دفن کرنے کے لئے زمین میں ایک گڑھا کھود تی۔ اور خاندان کی عورتوں کو بلواتی۔ وہ سب اُس کے پاس اکٹھی ہو جاتیں اور اُسے مع اس لڑکی کے گڑھے پر لیجاتیں۔ اور اُس کے شوہر کے آنے کی منتظر رہتیں۔ جب وہ عورت اپنے شوہر کو واپس آتا دیکھتی تو اُس لڑکی کو اُس گڑھے میں ڈال دیتی اور اُس کے اوپر مٹی

[1] دیکھو سنن دارمی۔

ڈال کر گڑھا بند کر دیتی۔ یہ طریق قبیلہ مُضر اور ربیعہ میں تھا۔ جو فاقہ اور قید کے خوف سے ایسا کرتے تھے[لہ]۔

بعض لوگ اِس طرح بھی لڑکیوں کو مارتے تھے کہ وہ اُن کو پہاڑ کی چوٹی یا کسی اونچی جگہ سے نیچے گرا دیتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں۔ اسوقت سے اب تک مجھے اسلام میں کچھ لذت معلوم نہیں ہوتی۔ جس کا سبب یہ ہے کہ جاہلیّت میں میری ایک لڑکی تھی۔ میں نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اس لڑکی کو خوب آراستہ کر۔ جب وہ آراستہ کر چکی تو میں اس کو ایک بہت گہرے نالہ پر لے گیا اور اُسے میں نے اُس میں گرا دیا۔ گرتے وقت اس نے یہ کلمہ کہا کہ ابّا جان تم نے مجھے مار ڈالا۔ جب مجھے اس کا یہ قول آتا ہے تو مجھے کوئی شے اچھی نہیں معلوم ہوتی آپ نے فرمایا جاہلیت کے تمام گناہ اسلام نے مٹا دیئے اور اسلام کے گناہوں کو استغفار مٹا دیتا ہے۔ یہ بھی طریق تھا کہ بعض لڑکیوں کو ڈبو دیتے تھے۔ اور بعض ذبح کر ڈالتے تھے[۲ہ]۔

اسلام نے سیکڑوں برس کی اس قبیح اور جاہلانہ رسم کو ایک آن میں مٹا دیا۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں اس کے جملہ انواع و اقسام کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور ایسے ناخدا ترس ظالموں کو سوائے دوزخ کے اَور کہیں ٹھکانا نہیں دیا گیا۔ قرآن مجید میں اس فعل قبیح کی ممانعت اور شناعت میں متعدد آیات موجود ہیں مثلاً

لَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ قَدْ خَسِرَ — محتاجی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو وہ لوگ بڑے
الَّذِيْنَ قَتَلُوٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ — بے نصیب ہیں جنہوں نے بغیر علم کے جہالت سے اپنی اولاد کو مار ڈالا

لیکن جس آیت میں سب سے زیادہ اس فعل پر وعید آئی ہے وہ یہ آیت ہے

لہ تفسیر ابن جریر جلد ۸ صفحہ ۳۵ ۔ ۲ہ دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ یعنی اس لڑکی سے جو زندہ دفن کی گئی ہے پوچھا جائیگا کہ تو کس گناہ میں ماری گئی تھی +

اس آیت میں خدا نے یہ ظاہر فرمایا کہ زندہ درگور کرنے والا خبیث اس قابل ہی نہیں کہ اس کی طرف التفات کیا جائے اور اس سے اس بارہ میں پوچھ گچھ کیجائے بلکہ فقط مظلوم لڑکی کے اظہار لیکر یک طرفہ کارروائی کردی جائے گی اور اُسی کے بیان پر اس خبیث کو دوزخ میں بھیجدیا جائے گا۔ جس طرح مسیح کے پوجنے والے اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے کچھ بازپرس کیجائے فقط مسیح کا بیان لیکر دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے +

کلام کا یہ پیرایہ نہایت بلیغ اور موثر ہوتا ہے۔ اور یہی قرآن کا اعجاز ہے۔ کسی بشر کی کیا مجال جو اس کا مقابلہ کرسکے۔ افسوس لوگوں کا مذاق ہم عمدہ نہیں پاتے۔ اس لئے مجبور ہیں۔ ورنہ ہم اس آیت کی بعض خوبیاں اور اسکے نکات بیان کرتے +

خرافات وہمیات۔ اور تخیلات

محالفت

منجملہ رسوم جاہلیت کے ایک رسم محالفت تھی۔ جس کی تفسیر یہ ہے کہ دو شخص یا دو قبیلے سخت قسمیں کھاکر اور حلف اٹھاکر آپس میں معاہدہ کرتے تھے کہ آج سے ہم دونوں فریق ہر امر میں ایک دوسرے کی مدد کرینگے۔ اگر کسی فریق پر کوئی دشمن چڑھ کر آئیگا تو دوسرا فریق اُس کا ساتھ دے گا اور دشمن سے لڑے گا۔ یہ معاہدہ سخت اور پکی قسموں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ قسم کے پکا کرنے کے دو طریق تھے۔ ایک یہ کہ جب کوئی کسی کی مدد پر قسم کھاتا تو حطیم خانہ کعبہ میں اپنا جوتا۔ یا کوڑا۔ یا کمان ڈال دیتا۔ ایسا کرنے سے وہ اُس کا حلیف یعنی ہم عہد ہو جاتا۔ اور ہر امر میں اسکی مدد اُس پر واجب ہو جاتی[1]+

---

[1] بخاری شریف +

دوسرا طریق یہ تھا کہ قسم کھاتے وقت آگ جلاکر اُس میں نمک اور گندھک ڈالتے۔ اسوقت جو شخص قسم کھاتا اس کی قسم پکی سمجھی جاتی۔ اور پھر وہ ہمیشہ کیلیئے دوسرے شخص کا ہم عہد ہوجاتا۔ اور ہر امر میں زندگی بھر اس کی مدد کرتا۔ اس آگ کا نام ان کے ہاں نار ہول یعنی ڈرانے والی آگ تھا۔ جس شخص کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ ہوتا تھا وہ اس آگ کو دیکھکر قسم کھانے سے ڈرجاتا تھا +

اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں اور بتوں کی قسم بھی کھاتے تھے +

رہان — منجملہ رسوم جاہلیّت کے ایک رسم گھوڑدوڑ میں بازی بدنا تھی۔ جسے وہ لوگ رہان کہتے تھے۔ جس کی صورت یہ تھی کہ دو شخص گھوڑدوڑ میں بازی بدتے اور ہر ایک روپیہ کی ایک ایک مقدار معیّن بطور رہن کے رکھدیتا۔ پھر دونوں ایک مقررہ میدان میں ایک ساتھ اپنا اپنا گھوڑا چھوڑتے۔ جس کا گھوڑا آگے نکل جاتا وہ دونوں رہن لے لیتا اپنا بھی اور دوسرے کا بھی[1] +

بارش کیلئے عمل — جاہلیّت کی قبیح رسموں میں سے ایک یہ رسم تھی کہ جب محط پڑجاتا اور بارش نہ ہوتی۔ اور لوگوں کو بارش کی ضرورت ہوتی۔ تو لوگ سلع اور عشر کی لکڑیوں کے بوجھ گایوں کی دموں سے باندھتے اور ان میں آگ لگاکر ان کو پہاڑ پر چڑھاتے اور خدا تعالےٰ سے مینہ کی دعا مانگتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے ہولیتے۔ اور اُن کو مغرب کی طرف ہانکتے۔ یہ اُن کے یہاں بارش کا عمل تھا۔ گویا گائے خدا کی درگاہ میں اُن کی شفیع تھی۔ اور ان کی دموں میں آگ اس لئے لگاتے تھے تاکہ بجلی کے ساتھ مشابہت پیدا ہوجائے۔ قال الشاعر ؎

لادر در رجال خاب سعیھم	وہ لوگ کامیاب نہ ہوں جن کی سعی رائگاں گئی
یستمطرون لدی الاعسار بالعشر	خشک سالی میں عشر کے ذریعہ سے مینہ مانگتے

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ +

اجاعل انت بيقورًا مسلعةً	ہیں کیا تو اس گائے کو جس کی دُم سے سلع بندھا
ذريعةً لك بين الله والمطر	ہوا ہو خدا اور مینہ کے درمیان اپنا ذریعہ اور

وسیلہ ٹھیراتا ہے ٭

گائے کی نسبت عرب جاہلیت کا ایک اَور خیال تھا کہتے تھے کہ جن گائے کو پانی پینے سے روکتا ہے اور بیل کے سینگوں پر شیطان سوار رہتا ہے۔ اس لئے جب گائے کو پانی پلانے لیجاتے اور وہ پانی میں نہ گھستی تو بیل کو مار کر پانی میں گھساتے اس کے پیچھے گائے بھی پانی میں گھس جاتی ٭

عرب کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ بیل حوض یا تالاب میں گھسکر پانی پی لیتا تھا لیکن گائے پانی میں گھستے ڈرتی اور پانی سے نفرت کرتی۔ جب وہ بیل کو مارتے اسوقت گائے پانی پیتی۔ نہشل بن جری کہتا ہے ؎

كذاك الثور يضرب بالهراوى	اسی طرح بیل لاٹھیوں سے مارا جاتا ہے۔ جب
اذا ما عافت البقر الظماء	گائے پانی پینے سے کراہت کرتی ہے ٭

شعراء میں ایک یہ دستور تھا کہ جب کوئی شاعر کسی شخص کی ہجو کرنے کا ارادہ کرتا۔ تو اپنے سر کی ایک جانب تیل لگاتا۔ اور اپنی ازار نیچے لٹکا لیتا۔ ایک پاؤں میں جوتی پہنتا۔ اور ایک پاؤں ننگا رکھتا۔ ہجو کے وقت عموماً شعراء کی یہ ہیئت اور وضع ہوتی تھی۔ لیکن اس کی وجہ اور علّت کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ شاید ان کے خیال میں اُن کی یہ وضع اشعار ہجاء میں ان کو کچھ مدد پہنچاتی ہو۔ یا اس سے اُن کے جن جو اُن کو اشعار القاء کرتے تھے خوش ہوتے ہوں ٭

منجملہ رسوم جاہلیت کے ایک رسم جز نواصی تھی جس کی تفسیر یہ ہے کہ جب کوئی معزز اور ذی رُتبہ شخص کسی کی قید میں آجاتا۔ اور قید کرنے والا اُس پر احسان رکھکر اسے چھوڑنا چاہتا تو اس کی پیشانی کے بال کاٹ لیتا۔ اور وہ بال ہمیشہ اپنے پاس رکھتا اور مجمعوں میں

اُن کے ساتھ فخر کرتا مشہور شاعرہ خنساء کہتی ہے ؎

جز زنا نواصی فرسانہا وکانوا یظنون ان لا تجزا	ہم نے اُن کے سواروں کی پیشانیوں کے بال کاٹ لئے اور وہ یہی گمان کرتے رہے کہ ان کے

بال نہ کاٹے جائیں گے۔

اہل جاہلیت میں یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی شاعر اُن کی قید میں آجاتا تو اُس کی زبان تسمے یا مضبوط ڈورے سے باندھ دیتے۔ تاکہ وہ اُن کی ہجو نہ کرسکے۔ عبد یغوث قحطانی کہتا ہے ؎

اقول وقد شدوا لسانی بنسعۃ	جب تیم نے میری زبان ڈورے سے باندھ دی
امعشر تیم اطلقوا عن لسانیا	تو میں نے اُن سے کہا کہ اے تیم میری زبان کھول دو
امعشر تیم قد ملکتم فاسجحوا	اے تیم اب تم مجھ پر قابو پائے ہوئے ہو تو میرے ساتھ نرمی برتو تمہارا آدمی جسے میں نے مارا ہے
فان اخاکم لم یکن من بوائیا	میرے جوڑ کا نہیں تھا اگر تم مجھے مار ڈالو گے
فان تقتلونی تقتلوا بی سیدا	تو ایک سردار کو مار ڈالو گے اور اگر مجھے چھوڑ دو گے
وان تطلقونی تحربونی بمالیا	

تو میرے تمام مال کے مالک بن جاؤ گے۔

جاہلیت میں ایک یہ بھی رسم تھی کہ جب شکار پر گھوڑے دوڑاتے تو جو گھوڑا سب گھوڑوں سے آگے نکل جاتا اور شکار کو پکڑ لیتا اس کے سینے کو شکار کے خون سے رنگ دیتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ دوڑ میں اُس گھوڑے کا کوئی گھوڑا مقابلہ نہیں کرسکتا اور گھوڑ دوڑ کے میدان میں سب سے آگے رہتا ہے[۱]۔

جاہلیت کی رسموں میں ایک رسم تعفیہ تھی جس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو قتل کردیتا اور قاتل سے مقتول کا قصاص طلب کیا جاتا تو چند معزز رئیس پوری

---

[۱] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب

دیت لیکر اولیاء مقتول کے پاس جمع ہوتے۔ اور اُن سے عفوِ قصاص اور قبول دیت کی درخواست کرتے۔ اگر اولیاء مقتول دولت و ثروت اور جاہ و حشمت والے ہوتے۔ اور ان کو اپنے زور و قوت پر بھروسا ہوتا تو دیت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیتے اور بغیر قصاص لئے نہ رہتے۔ ورنہ اُن سے کہتے کہ ہمارے اور ہمارے خالق کے درمیان امر و نہی کی ایک شناخت مقرر ہے۔ اگر اُس نے دِیت لینے کی اجازت دی تو ہم لے لیں گے۔ لیکن اگر اُس نے منع کیا تو پھر ہم مجبور ہیں۔ وہ شناخت یہ ہے کہ ہم آسمان کی طرف ایک تیر ماریں۔ اگر خون میں بھرا ہوا واپس آیا تو سمجھا جائے گا کہ ہم کو دیت لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور اگر صاف آیا تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم کو دِیت لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ کہکر وہ آسمان کی طرف تیر چلاتے اور جب صاف واپس آتا تو اپنی داڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے اور دیت لینے پر صلح کر لیتے۔ داڑھی پر ہاتھ پھیرنا دیت پر صلح کرنے کی علامت تھی۔

یہ تیر جو آسمان کی طرف پھینکا جاتا تھا۔ عقیقہ اور سہم الاعتذار کہلاتا تھا اور اس عمل کا نام تعقیہ تھا۔ اشعر جعفی کہتا ہے ؎

عقّوا بسھم ثم قالوا سالموا یالیتنی فی القوم اذ مسحوا اللّحی	اُنہوں نے آسمان کی طرف تیر مارا پھر کہا کہ صلح کر لو۔ کاش جسوقت انہوں نے اپنی داڑھیوں پر

ہاتھ پھیرا تھا میں بھی اُن میں موجود ہوتا۔

ابن الاعرابی کہتا ہے کہ یہ تیر جو آسمان کیطرف مارا جاتا تھا ہمیشہ صاف آتا تھا خون آلودہ کبھی نہیں آتا تھا۔ لیکن اس سے جاہلوں کے نزدیک اُن کے لئے ایک عذر قائم ہو جاتا تھا۔ کیونکہ عرب جاہلیت کے نزدیک دِیت قبول کرنا اور قصاص سے درگزر کرنا سخت معیوب و مذموم اور موجب ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جو لوگ قوت والے ہوتے تھے وہ دیت قبول نہیں کرتے تھے[۱]۔

[۱] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد سوم۔

گزر چکی ہے۔ پس اِس حدیث میں جو صفر کی نفی کی گئی ہے۔ اُس سے مراد دونوں قسم کا صفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس حدیث کی تفسیر میں علماء میں اختلاف واقع ہوا۔

عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اگر عورت سے ایسے وقت ہم بستری کی جائے۔ جب اُس کو مرد کے ساتھ ہم بستر ہونے کی خواہش نہ ہو تو اس سے اولاد نہایت قوی۔ شجاع دلیر اور بیدار مغز پیدا ہوتی ہے۔ مشہور شاعر ابو کبیر ہذلی حماسی اپنے ربیب تابط شراً کی تعریف میں کہتا ہے۔ کہ ؎

ممن حملن به وھن عواقد	وہ[1] جوان اُن لوگوں میں سے ہے جن کی ماؤں کو اُن کا حمل اسوقت رہا جبکہ وہ مرد کے ساتھ ہم بستر
حبك النطاق فشب غیر مهبل	ہونے کی خواہش مند نہ تھیں اس لئے وہ جوان نہایت پھرتیلا اور چھریرے بدن کا پیدا ہوا جس میں بادی بلغم کچھ نہیں۔
حملت به فی لیلة مزؤدة	اُس کی ماں کو اس کا حمل شب خوفناک میں رہا۔
کرھا وعقد نطاقها لم تحلل	ایسے وقت میں کہ اُس کے ساتھ زبردستی صحبت کی گئی تھی اور اس کی خوشی اور رغبت سے اس کے کمربند کی گرہ نہیں کھولی گئی تھی
فاتت به حوش الفؤاد مبطنا	سو اُس نے اُس کو تیز طبع قلیل النوم چھریرے
سهدا اذا ما نام لیل الهوجل	بدن کا بہادر جنا۔ جبکہ کاہل آدمی ساری رات سوتا ہے تو وہ جاگتا رہتا ہے اگر تو اُس کی طرف
فاذا نبذت له الحصاة رأیته	
ینزو لوقعتها طمور الاخیل	
واذا یهب من المنام رأیته	
کرتوب کعب الساق لیس بزمل	
ما ان یمس الارض الا منکب	
منه وحرف الساق طی المحمل	

[1] مخدوم و مکرم جناب مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی مرحوم ترجمہ حماسہ میں لکھتے ہیں کہ جوان سے مراد خود ذات شاعر سے ہے۔ یعنی شاعر اپنے آپکو غائب قرار دیکر خود اپنے اوصاف بیان کرتا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ شاعر اپنے ربیب تابط شراً کے اوصاف بیان کرتا ہے۔ اور جوان سے مراد تابط شراً ہے جیسا کہ شروح حماسہ سے ظاہر ہے۔ شاید مولانا مرحوم سے سہو ہو گیا ہے۔

شجاع اور بیدار اولاد کیسے پیدا ہوتی ہے

واذا رمیت بہ الفجاج رأیتہ	ایک کنکر پھینکے تو وہ اُس کے گرتے ہی شکرہ
یھوی مخارمھا ھُوِیَّ الاجدل	کی طرح جست مارے ۔
واذا نظرت الی اسَرّۃ وجھہ	اور جب وہ نیند سے اُٹھے تو تو اُسے درخت
برقت کبرق العارض المتھلل	نل کی پوری کی طرح سیدھا کھڑا دیکھے ۔ اور وہ
صعب الکریھۃ لایرام جنابہ	نامرد نہیں ہے ۔ جب وہ لیٹتا ہے تو زمین سے
ماضی العزیمۃ کالحسام المفصل	سوائے اُس کے مونڈھے اور کنارہ ساق
یحمی الصحاب اذا تکون عظیمۃ	کے اور کچھ نہیں لگتا ۔ اور مثل تلوار کے پرتلہ
واذا ھم نزلوا فماوی العیل	کی لپٹا ہوا ہوتا ہے ۔ اور جب تو اُسے پہاڑ کی

گھاٹیوں میں پھینک دے تو اس کی چوٹیوں سے ایسا جلد اُترتا دیکھے ۔ جیسے چراغ اپنے شکار پر گرتا ہے اور جبکہ تو اُس کے چہرہ کے محاسن کی طرف نظر کرے گا ۔ تو وہ تجھے ایسے معلوم ہوں گے ۔ جیسے ابر میں بجلی چمکتی ہے ۔ وہ سخت لڑنے والا ہے کہ اُس کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا ۔ اور مثل شمشیر براّن کے اپنے ارادہ کا پورا ہے ۔ جب سخت لڑائی ہوتی ہے تو اپنے دوستوں کی حفاظت کرتا ہے ۔ اور جب اُس کے ہاں مہمان آتے ہیں تو وہ غریبوں کا ماوی و ملجا ہے ۔

اہل جاہلیت کا یہ بھی خیال تھا کہ جب سہیل طلوع ہوتا ہے تو بہائم میں مری پڑتی ہے ۔ متنبی کہتا ہے ؎

اتنکر موتھم وانا سھیل	کیا تو ان کی موت کا انکار کرتا ہے حالانکہ میں
طلعت بموت اولاد الزناء	سہیل ہوں جو اولاد الزنا کی موت ہی کے لئے

طلوع ہوا ہوں ۔

اِس شعر میں اولاد الزنا سے مراد بہائم ہیں ۔ متنبی کا مطلب یہ ہے کہ اَور شاعر جو میرے ہمعصر ہیں میرے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے بہائم ۔ اور میں اُن کے مقابلے

سہیل بجائے سہیل کے طلوع ہوا

ہیں ایسا ہوں جیسے سُہیل۔ پس جس طرح سُہیل کے طلوع ہونے سے بہائم میں وبا پھیل جاتی ہے اور وہ مرنے لگتے ہیں اسی طرح میرے ہمعصر شاعر مجھے دیکھکر مرجاتے ہیں۔ مولوی نظامی علیہ الرحمہ نے اس شعر کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے ؎

ولدالزناست حاسدِ منم آنکہ طالعِ من ولدالزنا کش آمد چو ستارۂ یمانی

منجملہ اوہام جاہلیّت کے ایک یہ بات تھی کہ جب کسی کو جنون ہوجاتا یا ارواح خبیثہ چپٹ جاتیں تو اس کے گلے میں حیض کے چیتھڑے یا مردہ کی پُرانی ہڈیاں ڈال کر اس کو نجس کردیتے۔ اُن کے خیال میں جنون اور ارواح خبیثہ کے دفعیہ کی یہ ایک عمدہ تدبیر تھی اور اس سے بڑھکر اَور کوئی علاج نہ تھا۔ اُن کا اس امر پر اتفاق تھا کہ عشق کے سوا اور قسم کے جنون سے نجس کرنا شفا بخشتا ہے خصوصاً مردہ کی پرانی ہڈی باندھنا سب سے زیادہ مفید ہے۔ شعرائے جاہلیّت نے اپنے اشعار میں اِس رسم کا ذکر بہت کیا ہے۔

جنون یا ارواح خبیثہ کا علاج

ممزق عبدی کہتا ہے ؎

فلو ان عندی جارتین و راقیا و علّق انجاسا علی المعلق	کاش میری ہمسایگی میں دو عورتیں اور ایک منتر پڑھنے والا ہوتا اور کوئی لٹکانے والا مجھ پر نجاستیں

لٹکا دیتا۔

ایک اعرابی کہتا ہے ؎

یقولون علق یالك الخیر رمّة وھل ینفع التنجیس من کان عاشقا	لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ فلانے خدا تیرا بھلا کرے تو اپنے جسم کے کسی حصّے پر مردہ کی پرانی ہڈیاں

باندھ لے۔ بھلا کہیں عاشق کو بھی تنجیس نفع دیتی ہے؟

ایک عورت نے اپنے بیٹے کو نجس کیا تھا جب تنجیس نے اسکو کچھ نفع نہ دیا اور وہ مرگیا تب اس نے یہ شعر کہا ؎

نجستہ لا ینفع التنجیس والموت لا تفوتہ النفوس	میں نے اس کو نجس کیا تھا۔ لیکن وہ نہ بچا تنجیس کچھ نفع نہیں دیتی۔ اور جانیں موت سے بچ نہیں سکتیں۔

ایک اَور شاعر کہتا ہے ؎

اتونی بانجاس لھم ومنجس فقلت لھم ما قدر اللہ کائن	وہ میرے پاس نجاستیں اور نجاست پیٹنے والے کو لائے سو میں نے اُن سے کہا کہ جو اللہ نے

تقدیر میں لکھا ہے وہی ہوگا۔

جنون کا علاج

ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص عرصہ دراز تک بیمار رہتا اور اس کی نسبت یہ خیال ہوتا کہ اس پر جنوں کا اثر ہے۔ کیونکہ اس نے فلاں وقت سانپ یا یربوع یا قنفذ کو مارا تھا۔ تو مٹی کے چند اونٹ بناتے۔ اور گیہوں اور جو اور کھجور کی گونیں بھر کر اُن پر لادتے اور سورج ڈوبتے وقت مغرب کیطرف اُنہیں ایک سوراخ میں کر دیتے۔ اگلی صبح کو اُنہیں دیکھتے۔ اگر انہیں اپنی حالت پر پاتے تو کہتے کہ دیت قبول نہیں کی گئی۔ پھر اُن کی تعداد بڑھاتے اور اگر انہیں گرا ہوا اور جنس کو بکھرا ہوا پاتے تو کہتے کہ دیت قبول ہو گئی اور مریض کے شفا پانے پر دلیل پکڑتے اور خوشی میں دف بجاتے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

قالوا وقد طال عنائی والسقم احمل الی الجن جمالات وضم فقد فعلت والسقام لم یرم فبا الذی یملك برئی اعتصم	جب میری تکلیف اور بیماری طول پکڑ گئی۔ تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ جنوں کے پاس مٹی کے اُونٹ بھیج۔ میں نے اُن کے کہنے کے مطابق کیا لیکن بیماری نہ ٹلی۔ سو جو میری شفا

کا مالک ہے میں اُسی پر بھروسا کرتا ہوں۔

سانپ مار کر کیا کرتے تھے

یہ بھی دستور تھا کہ جب کوئی سانپ کو مار ڈالتا تو اس خوف سے کہ کہیں جن اُس کا بدلہ نہ لے گوبر توڑ کر اس کے سر پر ڈال دیتا۔ بعض سانپ کے سر پر تھوڑی سی راکھ ڈال دیتے تھے۔ اِس عمل سے پھر اُن کو جن کے بدلا لینے کا اندیشہ نہ رہتا تھا۔

شکوری کا علاج

جب کسی کو رتوندا آتا تھا تو اُس کی یہ تدبیر کرتا تھا کہ اُونٹ کے کوہان اور جگر کے

پارچہ بھونتا اور کھاتے وقت ہر لقمہ پر اوپر کی پلک پر انگشت شہادت پھیرتا اور یہ منتر پڑھتا

فیاسناما واکبد۔ الا اذھبا بالھد بد لیس شفاء الھد بد۔ الا السنام والکبد	اے کوہان اور جگر کیا تم میرا رتوندا دور نہ کروگے۔ رتوندے کی شفا تو جگر اور کوہان

ہی ہے اس عمل سے ان کے گمان میں رتوندا جاتا رہتا تھا۔

ایک رسم یہ تھی کہ جب کسی عورت کا شوہر اُس سے جدا ہوتا تو وہ اُس کے پاؤں تلے کی مٹی اٹھا لیتی اور اپنے پاس رکھتی یہ اُن کے خیال میں شوہر کے جلد واپس آنے کا ایک موثر اور مجرب عمل تھا۔ ایک عورت کہتی ہے ؎

اخذ ت ترابا من مواطئ رجله غداة غدا کیما یؤوب مسلماً	جس صبح کو وہ روانہ ہوا میں نے اُس کے پاؤں تلے کی مٹی اٹھالی تاکہ صحیح وسلامت واپس آئے

عرب جاہلیت کی خرافات میں سے ایک یہ بات تھی کہ جب کوئی مرد کسی عورت پر عاشق ہوجاتا اور اُس کا عشق حد سے بڑھ جاتا اور کسی طرح تسلی نہ ہوتی۔ تو ایک آدمی بچہ کی طرح اس کو اپنی پیٹھ پر اُٹھاتا۔ اور دوسرا آدمی کھڑا ہوکر لوہا یا لوہے کی سلائی گرم کرکے اس کے دونوں چوتڑوں کے درمیان داغ دیتا۔ ایسا کرنے سے اُن کے زعم میں اُس کا عشق جاتا رہتا۔ شعراے عرب نے اس مضمون کو اپنے اشعار میں کثرت سے باندھا ہے۔ ایک اعرابی کہتا ہے۔ کہ ؎

کویتم بین رانفتی جھلا ونار القلب یضرمھا غرام	تم نے براہ جہالت میرے دونوں چوتڑوں کے درمیان داغ دیا حالانکہ عشق کی آگ دل میں بھڑک رہی ہے۔

وقال آخر ؎

شکوتُ الی رفیقیّ اشتیاقی فجاء الی وقد جمعا دوا ا	میں نے اپنے دونوں رفیقوں سے اپنے اشتیاق کی شکایت کی وہ دونوں میرے پاس آئے اور

رتوندے کا علاج جاہلیت میں
شوہر کی واپسی کا عمل
عشق کا علاج

وجاؤا بالطبيب ليکويانی
ولا ابغی عل متهما اکتوا
ولوايتا بسلمی حين جاء ا
لعاضانی من السقم الشفاءا

دونوں نے میرے لئے دوا جمع کی۔ اور مجھے داغ دلوانے کے لئے میرے پاس طبیب کو لائے حال آنکہ میں داغ نہیں چاہتا۔ خدا ان دونوں کو کھوئے۔ جب وہ میرے پاس آئے تھے اگر سلمیٰ کو بھی اپنے ساتھ لیتے آتے تو ضرور بیماری سے وہ مجھے شفا دیدیتے۔

منجملہ خرافات عرب جاہلیت کے ایک یہ بات تھی کہ جب کوئی مرد کسی عورت پر عاشق ہو جاتا۔ اور عورت اُس پر۔ تو مرد عورت کا بُرقع پھاڑ دیتا اور عورت مرد کی چادر پھاڑ دیتی۔ اِس عمل کے کرنے سے اُن کے زعم باطل میں اُن کی محبت ہمیشہ قائم رہتی تھی اور کبھی آپس میں ناچاقی یا ایک دوسرے سے عداوت نہیں ہونے پاتی تھی۔ لیکن اگر وہ یہ فعل نہیں کرتے تھے۔ تو اُن کی محبت جاتی رہتی تھی۔ جاہلیت کے شعراء نے اِس مضمون کو بھی اپنے اشعار میں کثرت سے باندھا ہے

شققت ردائی یوم برقۃ عالج
وامکنتنی من شق برقعك السحقا
فما بال هذا لود يفسد بيننا
ويمحق حبل الوصل ما بيننا محقا

برقہ عالج کے دن تو نے میری چادر پھاڑی اور مجھ سے اپنا پُرانا بُرقع پھڑوایا۔ پھر اس کا کیا سبب جو ہماری محبت جاتی رہی اور ہمارے وصل کی رسّی ٹوٹ گئی۔

منجملہ خرافات جاہلیت کے ایک یہ امر تھا کہ جب کوئی شخص سفر کو جانا چاہتا تو درخت کی کسی شاخ یا اس کی جڑ میں ایک ڈورا باندھ دیتا۔ جب سفر سے واپس آتا تو اُس ڈورے کو دیکھتا۔ اگر اُسے اسی طرح بندھا ہوا پاتا تو جانتا کہ اُس کی بیوی نے اس کے پیچھے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اور اس کے دامن عصمت پر داغ نہیں لگا۔ لیکن اگر اُس ڈورے کو نہ پاتا یا اُسے کھلا ہوا پاتا تو کہتا کہ میری بیوی نے میری خیانت کی اور وہ اپنی عصمت کھو بیٹھی۔ اِس ڈورے کا نام ان کے یہاں رتم

اور رتمہ تھا۔ ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ ایک عربی نے سفر کا ارادہ کیا۔ وہ اپنی عورت کو وصیت کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ خبردار میرے پیچھے کسی سے آنکھ نہ لڑانا اور کسی کو اپنی عصمت نہ دے بیٹھنا کیونکہ میں نے تیرے لئے درخت پر رتم باندھا ہے۔ اگر تو کسی سے ملوث ہو گئی تو یہ رتم کھل جائے گا۔ اِس خیال کا بھی شعراء جاہلیت نے اپنے اشعار میں کثرت سے ذکر کیا ہے۔ قال الشاعر ؎

خانته لما رأت شيباً بمفرقه وغرّه حلفها والعقد للرتم	عورت نے جب شوہر کا سر سفید دیکھا تو اُس کی خیانت کی اور شوہر کو اُس کے حلف اور رتم کے

باندھنے نے دھوکے میں رکھا۔ وقال آخر ؎

لاتحسبنّ رتائماً عقدتها تنبيك عنها باليقين الصادق	جو ڈورے تو نے درختوں پر باندھے ہیں اُن کی نسبت یہ گمان نہ کر کہ وہ تجھے عورت کے

حالات کی یقینی اور سچی خبر دینگے۔

میدانی کہتے ہیں کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب کوئی اُن میں سے سفر کا ارادہ کرتا تو ایک ڈورا درخت پر باندھ دیتا اور اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا کہ اگر اس کی بیوی اُس کے پیچھے اپنی عصمت کھوئے گی تو وہ ڈورا کھل جائے گا۔ اس ڈورے کا نام اُن کے یہاں رتم اور رتمہ تھا۔ اِس کے سوا وہ لوگ بخار کے لئے بھی رتم باندھتے تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو اُسے کھولے گا باندھنے والے کا بخار اس کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس خیال کی بھی شعراء جاہلیت کے اشعار سے تائید ہوتی ہے قال الشاعر ؎

حللت رتيمة فمكثت شهرا أكابد كل مكروه الدواء	میں نے رتم کھول دیا تھا اس لئے میں ایک مہینے تک بیمار پڑا رہا اور ہر ایک مکروہ دوا کے پینے کی

مصیبت جھیلتا رہا۔

منجملہ خرافات اہل جاہلیت کے ان کا یہ قول تھا کہ عورت مقلاۃ یعنی جس کی اولاد نہ جیتی ہو جب کسی شریف مقتول کی لاش اپنے پاؤں سے روندے تو اُس کی اولاد جینے لگتی ہے۔ یہ اعتقاد فقط اُس شریف کی لاش کی نسبت رکھتے تھے۔ جو دھوکے سے قتل کیا گیا ہو یا قصاص میں مارا گیا ہو۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ عورت مقلاۃ شریف مقتول کی لاش پر سات مرتبہ پھرتی تھی۔ یہ خیال بھی شعرائے جاہلیت کے اشعار میں موجود ہے۔ قال بشر بن ابی حازم ؎

تظلُّ مقاليت النساء يطانه
يقلن الا يلقى على المرء ميزر

جن عورتوں کی اولاد نہیں جیتی وہ اُسے اپنے پاؤں سے روند رہی تھیں اور یہ کہتی جاتی تھیں کہ اس مرد پر ازار کیوں نہیں ڈالا جاتا۔

وقال آخر ؎

بتاشرت المقالت حين قالوا
ثوى عمرو بن مرة بالحفير

جب لوگوں نے یہ کہا کہ عمرو بن مرہ قتل ہو کر گڑھے میں جا پڑا تو وہ عورتیں اُسے آچپٹیں جن کی اولاد نہیں جیتی تھی۔

منجملہ خرافات اہل جاہلیت کے ایک اُن کا یہ فعل تھا۔ کہ جب کسی لڑکے کا دانت گر جاتا تو اُسے انگشت شہادت اور انگوٹھے کے درمیان دبا لیتا اور جب سورج نکلتا اُس کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا اور اس کو سورج کی طرف پھینک دیتا۔ اور کہتا کہ اے سورج مجھے اِس دانت سے اچھا اور خوبصورت دانت بدل دے اور اپنی شعاع سے اس کی تاریکی مٹا دے۔ اسی خیال کی بنا پر جاہلیت کے مشہور اور نامور شاعر طرفہ بن عبد نے اپنے معلقہ میں اپنی معشوقہ کی صفت میں شعر کہا ہے

سقته اياة الشمس الا لثاته
أسِفّ ولم تكدم عليه باثمد

اس کے دانتوں کو سورج کی شعاع نے چمکا دیا ہے لیکن اُس کے مسوڑھوں کو نہیں چمکایا

بلکہ اُن پر اثمد جو ایک قسم کا سیاہ سرمہ ہوتا ہے چھڑکا گیا ہے اور اُس نے اُن دانتوں سے کسی چیز کو کاٹا نہیں ؁

یہ شاعر اپنی معشوقہ کے دانتوں کی تعریف کرتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ سورج نے انہیں چمکا دیا ہے ۔ یعنی سورج نے انہیں اپنی روشنی مستعار دیدی ہے جس سے وہ سورج کی طرح چمکتے ہیں ۔ اور اس نے ان سے کسی چیز کو کاٹا نہیں جو اُن میں اثر کر کے اُن کی چمک کھو دیتی ۔ پھر کہتا ہے کہ اس کے مسوڑھوں کو نہیں چمکایا ۔ کیونکہ مسوڑھوں کی چمک اہل عرب کے نزدیک پسندیدہ اور قابل تعریف نہیں ہے ۔ پھر کہتا ہے کہ اس کے مسوڑھوں پر اثمد چھڑکا ہوا ہے ۔ یہ اس لئے کہا کہ عرب کی عورتیں لبوں اور مسوڑھوں پر اثمد چھڑکتی تھیں جس سے دانتوں کی چمک اَور بھی بڑھ جاتی تھی ۔ اثمد چھڑکنا ایسا ہی تھا جیسے ہمارے یہاں کی عورتیں مسّی لگاتی ہیں ؁

اہل جاہلیّت کے اوہام و خرافات میں سے ایک یہ بات تھی کہ جب کوئی ان کا عزیز و قریب غائب ہو جاتا اور کہیں اس کا پتہ نہ چلتا تو ایک پُرانے گہرے اور تاریک کنویں پر جاتے اور کنویں میں منہ جھکا کر تین مرتبہ اُس کا نام لیکر اُس کو پکارتے اور یہ اعتقاد رکھتے کہ اگر وہ مرگیا ہے تو ایسا کرنے سے انہیں کوئی آواز سنائی نہ دے گی ۔ اور اگر زندہ ہوگا تو انہیں آواز سنائی دے گی ۔ بعض اوقات اُنہیں آواز آنے کا وہم ہو جاتا تھا یا کنویں سے گونج کی آواز سنتے تھے ۔ اور اس پر اپنے عقیدے کی بنیاد قائم کرتے ۔ قال الشاعر ؎

وکم نادیتہ واللیل ساجٍ
بعادیِّ البئار فما اجابا

راتوں میں مَیں نے اُسے پُرانے اور اندھیرے اور گہرے کنوؤں پر جا جا کر پکارا ۔ لیکن اُس نے مجھے کچھ جواب نہ دیا ؁

جاہلیت کے عربوں کی جہالت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب کوئی دشمن اُن پر چڑھائی کرتا تو اپنی عورتوں کو میدان جنگ میں نکالتے اور صفوف قتال یعنی اپنی اور دشمن کی صفوں کے درمیان اُن سے پیشاب کرواتے۔ اور وہ پیشاب کرتیں اس سے اُن کے خیال باطل میں لڑائی کی آگ بجھ جاتی تھی اور فریقین صلح کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ کیونکہ یہ اُن کا پختہ اعتقاد تھا کہ اگر عورت صفوف قتال کے درمیان پیشاب کرے تو لڑائی کی آگ بجھ جاتی ہے اور فریقین صلح کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ قال الشاعر ؎

لقونا بابوال النساء جهالة	وہ براہ جہالت ہم سے عورتوں کے پیشاب کے
ونحن نلاقيهم ببيض قواضب	ساتھ ملے اور ہم اُن سے شمشیر ہائے برّان کے ساتھ ملے۔

وقال آخر ؎

هيهات ردُّ الخيل بالابوال	جب ہمارے گھوڑے صفوف جنگ میں غول
اذا غدات في صور السعالي	بیابانی کی صورت بن جائیں تو اسوقت اُن

کا عورتوں کے پیشاب سے دفع کرنا بہت بعید ہے۔

جاہلیت کے لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ جو شخص بھونری دار گھوڑے پر سوار ہو اور اُس کے نیچے گھوڑے کو پسینہ آجائے۔ تو اس کی عورت غیر مردوں سے پھنس جاتی اور بدکاری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اذا عرق المهقوع بالمرء انعظت	جب بھونری دار گھوڑے کو سوار کے نیچے
حليلته وازداد حرًّا عجانها	پسینہ آجائے تو اُس کی بیوی غیروں سے پھنس جاتی ہے۔

دوسرا شاعر اس کی تردید میں کہتا ہے ؎

وقد یرکب المهقوع مرلیس مثلہ
وقد یرکب المهقوع زوج حصان

کبھی بھونری دار گھوڑے پر عفیفہ اور پاکدامن عورتوں کے شوہر بھی سوار ہوتے ہیں ٭

جاہلیت میں جب کسی آدمی کا پاؤں سُن ہو جاتا تو اس کا علاج یہ کرتا تھا کہ اپنے محبوب کو یاد کرتا یا اُسے آواز دے کر پکارتا۔ اِس عمل سے اس کے پاؤں کا سُن جاتا رہتا تھا۔ قال الشاعر ؎

علے ان رجلی لایزال امذلالها
مقیما بها حتے اجیلک فی فکری

میرا پاؤں ہمیشہ سن رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں تیرا تصور کرتا ہوں ٭

کثیر کہتا ہے ؎

اذا مذلت رجلی ذکرتک اشتفی
بدعواک من مذل بها فیهون

جب میرا پاؤں سُن ہو جاتا ہے تو میں تجھے یاد کرتا ہوں اور تجھے پکار کر اُس کے سُن سے شفا پاتا ہوں۔ اور میرا پاؤں ہلکا ہو جاتا ہے ٭

جمیل کہتا ہے ؎

وانت لعینی قرۃ حین نلتقی
وذکرک یشفینی اذا خدرت رجلی

اے محبوبہ جب ہم تم ملتے ہیں تو تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور جب میرا پاؤں سُن ہو جاتا ہے تو تیرا ذکر مجھے شفا دیتا ہے ٭

ایک عورت کہتی ہے ؎

اذا خدرت رجلی دعوت ابن مصعب
فان قلت عبداللہ اجلی فتورها

جب میرا پاؤں سُن ہو جاتا ہے تو میں ابن مُصعب کو پکارتی ہوں۔ پس اگر میں عبداللہ کا نام لیتی ہوں تو اُس کا سُن جاتا رہتا ہے ٭ ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

صب محب اذا ما رجلہ خدرت
نادی کبیشۃ حتے یذھب الخدر

وہ عاشق محبت کرنے والا ہے جب اس کا پاؤں سُن ہو جاتا ہے تو اپنی پیاری کبیشہ کو

پکارتا ہے یہانتک کہ اُس کا سُن جاتا رہتا ہے ؞

موصلی کہتا ہے ؎

واللہ ما خدرت رجلی وما عثرت
الا ذکرتک حتی یذھب الخدر

بخدا جب کبھی میرا پاؤں سُن ہوا یا اُس نے ٹھوکر کھائی تو میں نے تجھے یاد کیا یہانتک کہ اُس کا سن جاتا رہا ؞

ولید بن یزید کہتا ہے ؎

اثیبی ھائما کلفا معنّی
اذا خدرت له رجل دعاک

عاشق سرگشتہ مصیبت زدہ سے مل جب اس کا پانو سُن ہو جاتا ہے تو وہ تجھے بلاتا ہے ؞

جاہلیّت کے لوگوں کو اسی قسم کا ایک یہ وہم تھا کہ جب کسی آدمی کی آنکھ پھڑکتی تو کہتا کہ میں اپنے محبوب کو دیکھوں گا۔ اگر وہ غائب ہوتا تو اُس کے آنے کی توقع کیجاتی اور اگر دور ہوتا تو اُس کے قریب ہونیکی توقع کیجاتی۔ بشر کہتا ہے ؎

اذا اختلجت عینی اقول لعلّھا
فتاۃ بنی عمرو بھا العین تلمع

جب میری آنکھ پھڑکتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ شاید میری آنکھ بنی عمرو کی جوان لڑکی کو دیکھے گی ؞

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

اذا اختلجت عینی تیقنت انّنی
اراکِ وان کان المزار بعیدا

اے پیاری جب میری آنکھ پھڑکتی ہے تو مجھے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ میں تجھے دیکھوں گا۔ اگرچہ تو کتنی ہی دور کیوں نہ ہو ؞

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

اذا اختلجت عینی اقول لعلّھا
لرؤیتھا تھتاج عینی وتطرف

جب میری آنکھ پھڑکتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ شاید وہ محبوبہ کے دیکھنے کیلئے پھڑک رہی ہے ؞

تعشیر

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جب کوئی آدمی کسی گانوں میں جانا چاہتا اور اُس کو اُس گانوں کی وبا یا اُس کے جنّات کا خوف ہوتا تو اس گانوں کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس کے دروازہ پر کھڑا ہو کر گدھے کی بولی بولتا۔ پھر اپنے گلے میں خرگوش کے ٹخنے کی گرہ ڈالتا۔ یہ وبا اور جنّون کا ان کے ہاں تعویذ اور منتر تھا اور اس گدھے کی بولی کو وہ لوگ تعشیر کہتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے [۱]

لا ینجینك من حمام واقع
کعب تعلقہ و لا تعشیر

جب موت آئے گی تو تجھے نہ خرگوش کے ٹخنے کی گرہ گلے میں ڈالنا بچا سکیگی اور نہ تعشیر۔

اسی کے مشابہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی آدمی جنگل میں بھٹکتا پھرتا اور اُسے رستہ نہ ملتا تو اپنے کرتے کو الٹتا اور دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجاتا۔ ایسا کرنے سے اُسے رستہ مل جاتا۔ اِس مضمون کے متعلق بھی شعراء کے اشعار کثرت سے ہیں۔

اونٹنی کی سرکشی کا علاج

جاہلیت کے تخیلات میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ جب کسی کی اونٹنی کبھی بدکتی تو وہ اس کی ماں کا نام لیتا۔ اس سے اس کی وحشت دور ہو جاتی۔ سکری کہتا ہے [۱]

فقلت له ما اسم امهاتها فادعها
تجبك و یسکن روعها و نفارها

میں نے اس سے کہا کہ اس کی ماں کا نام کیا ہے اُسے پکار یہ تیری مطیع ہو جائے گی۔ اور اس کی وحشت اور نفرت جاتی رہے گی۔

اونٹ کے لب کی پھنسیوں کا علاج

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ اگر کسی اونٹ کے لب میں پھنسیاں نکل آتیں۔ تو اس کے لئے صحیح اور تندرست اونٹ کو داغ دیتے۔ ایسا کرنے سے اُن کے خیال میں بیمار اونٹ اچھا ہو جاتا تھا [۱]۔

تفقیہ و تعمیہ

یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کے پاس ہزار اونٹ ہو جاتے تو وہ اس خوف سے کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے۔ ایک نر اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتا۔ پھر جب ہزار

[۱] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد دوم۔

سے بڑھ جاتے تو اُس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وھب لنا وانت ذو امتنان تفقأ فیھا اعیان البعران	تو صاحب احسان ہے ہم کو اتنے اونٹ بخش کہ اُن میں دو اونٹوں کی آنکھیں پھوڑی جائیں

ایک اَور شاعر کہتا ہے ؎

فکان شکر القوم عند المنن کی الصحیحات وفقؤ الاعین	احسان کے وقت قوم کا شکریہ۔ تندرست اونٹوں کو داغ دینا اور اُن کی آنکھیں پھوڑ ڈالنا ہے[1]

یہ بھی دستور تھا کہ جو اُونٹ کسی بادشاہ کا عطیہ ہوتے تھے۔ اُن کے کوہان میں جھنڈیاں گاڑ کر اُن پر کپڑے کی چھوٹی چھوٹی دھجیاں بطور پھریرے کے لگاتے تھے[1]

سانپ کاٹنے کا علاج

یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کو سانپ کاٹ لیتا اُس کے گلے میں عورتوں کا زیور اور جھانجھ ڈال دیتے۔ اُن کا خیال تھا کہ اِس سے سانپ کا زہر نہیں چڑھتا بعض نے اِس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مارگزیدہ سو جائے گا تو زہر اُس کے تمام بدن میں سرایت کر جائے گا اور اُس سے مارگزیدہ مر جائے گا۔ اِس لئے وہ اُس کو زیور اور جھانجھ اور اُن کی آواز میں مشغول رکھتے تھے۔ اور مقصود یہ تھا کہ وہ سونے نہ پائے۔ یہ قول نضر بن شُمیل رضی اللہ عنہ کا ہے لیکن بعض اعراب کے قول سے اِس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ جب بعض اعراب سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارا مقصود مارگزیدہ کے گلے میں عورتوں کا زیور اور جھانجھ ڈالنے سے اُس کا بیدار رکھنا ہوتا ہے۔ تو اُس نے کہا کہ زیور بیدار رکھنے کی چیز نہیں ہے لیکن یہ ہماری ایک سنّت ہے جسے ہم نے اپنے بڑوں سے لیا ہے ؂

[1] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳ صفحہ ۴۲۹ مطبوعہ بغداد شریف ؂

اگرچہ ظاہر میں اس نقل سے نضر بن شمیلؒ کے قول کی تردید ہوتی ہے۔ لیکن اس سے واقع اور نفس الامر میں اُن کے قول کی تردید نہیں ہوتی۔ یہ سچ ہے کہ یہ سُنّت بڑوں سے چلی آتی تھی۔ لیکن آخر بڑوں نے بھی تو کسی بناء ہی پر یہ سنت ایجاد کی ہوگی۔ بعض شعراء کے کلام سے بھی نضر بن شمیلؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ ہم یہاں پر اس کے متعلق چند اشعار نقل کرتے ہیں۔ جن جن اشعار سے نضر بن شمیلؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اُن کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

نابغہ کہتا ہے ؎

فبت کانی ساورتنی ضئیلة من الرقش فی انیابھا السم ناقع یسھد من لیل التمام سلیمھا بحلی النساء فی یدیه قعاقع	میں نے ایسی بےکلی میں رات گزاری کہ گویا مجھے چتلے رنگ کی تپلی سٹک نے ڈس لیا ہے جس کے دانتوں میں نہایت قوی اور تیز زہر ہے ساری رات اُس کا ڈسا ہوا عورتوں کے زیور سے جو

اُس کے ہاتھوں میں بجتے رہتے ہیں بیدار رکھا جاتا ہے۔

عویمر کہتا ہے ؎

فبت معنّی بالھموم کاننی سلیم نفی عنه الرقاد الجلاجل	غموں کی وجہ سے میری ساری رات بیقراری میں کٹی گویا میں ایک مارگزیدہ تھا جس کی نیند جھانجھوں

نے کھو دی تھی۔

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

کانی سلیم سھد الحلی عینه فراقب من لیل التمام الکواکبا	گویا میں ایک مارگزیدہ تھا جس کی آنکھیں زیور نے بیدار رکھیں۔ سو تمام رات تارے

گنتا رہا۔

جمیل کہتا ہے ؎

اذا مالدیغ ابدٔ الحلی د ائله فحلیکِ امسیٰ یا بثینة د ائیا	مارگزیدہ کو زیور شفا بخشتا ہے۔ لیکن اے بُثینہ تیرے زیور نے مجھے بیمار کر دیا +

بنی عذرہ کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

کانی سلیم نا له کلم حیّة تری حوله حلی النساء موضعا	گویا میں ایک مارگزیدہ ہوں جسے سانپ ڈس گیا ہے اور تو اُس کے گرد عورتوں کا زیور رکھا ہوا

دیکھتا ہے +

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

وقد عللوا بالبطل فی کل موضع وغرّوا کما غر السلیم الجلاجل	اُنہوں نے ہر جگہ جھوٹے بہانے بنائے اور مجھے اِس طرح دھوکا دیا جس طرح مارگزیدہ کو جھانجھیں

دھوکا دیتی ہیں +

اگرچہ نضر بن شمیلؒ کا قول عقل اور قیاس کے مطابق تھا۔ اور بعض شعراء کے کلام سے اُس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ لیکن بعض رواۃ نے ایسی بات بیان کی ہے جس میں عقل کو کسی طرح دخل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مارگزیدہ کے گلے میں سونے کا زیور لٹکایا جاتا تھا تو وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اور اگر رانگ۔ یا رانگ کا زیور لٹکاتے تھے تو مر جاتا تھا +

عرب جاہلیّت کا عام خیال تھا کہ اگر پچھنوں کے ذریعے سے کسی بادشاہ کے بائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی کا خون لیا جائے اور اُس کو چھوارے میں رکھکر باؤلے کتّے کے کاٹے ہوئے کو کھلا دیا جائے۔ تو اُس سے اُس کو شفا ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں یہ خیال صحیح ہے یا نہیں لیکن جاہلیّت میں یہ خیال عام تھا۔ ابو البرج کہتا ہے کہ ؎

بناۃ مکارم و اساۃ کلمٍ دماءهم من الکلب الشفاء	وہ لوگ عمدہ باتوں کے بانی اور زخموں کے معالج ہیں۔ اُن کے خون باؤلے کتّے کے کاٹے ہوئے کو

شفا دیتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ بادشاہ ہیں +

دیوان کمیت
ملاحظہ ہو

ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی مہمان یا کوئی اَور شخص اُن سے جدا ہوتا اور وہ اُس کا واپس آنا نہ چاہتے۔ تو جب وہ اُن سے رخصت ہوتا اُس کے پیچھے اپنا کوئی برتن توڑ دیتے۔ یہ بھی ایک عمل تھا جس پر جاہلیت میں عموماً سب لوگ عامل تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

کسرنا القدر بعد ابی سواج فعاد وقدرنا ذهبت ضیاعا	ابو سواج کے بعد ہم نے اپنی ہانڈی توڑ دی سو وہ تو واپس آگیا لیکن ہماری ہانڈی ضائع گئی۔

ایک اَور شاعر کہتا ہے ؎

ولا نکسر الکیزان فی اثر ضیفنا ولکننا نکفیه زاد الیرجعا	ہم اپنے مہمان کے رخصت ہونے پر اپنے پیالے نہیں توڑتے بلکہ ہم اس کو زادِ راہ دیتے ہیں تاکہ وہ پھر ہمارے پاس واپس آئے۔

ایک اَور شاعر کہتا ہے ؎

اما واللہ ان بنی نُفیل لحلّالون بالشرف الیفاع اُناس لیس تکسر خلف ضیف اوانیهم ولا شعب القصاع	بخدا بنی نفیل شرف بلند پر پہنچے ہوئے ہیں اور وہ ایسے بھلے آدمی ہیں کہ مہمان کے رخصت ہونے پر اپنے برتن اور کٹھرے نہیں توڑتے۔

ایک یہ رسم تھی کہ جب کسی عورت سے کوئی شخص منگنی کا خواستگار نہ ہوتا تو اپنے سر کے ایک جانب کے بال بکھیر لیتی۔ اور بکھرے ہوئے بالوں کی جانب مخالف ایک آنکھ میں سُرمہ لگاتی پھر ایک پاؤں پر آہستہ آہستہ چلتی۔ یہ عمل رات میں کرتی اور یہ الفاظ کہتی

یا لکاع۔ ابغی النکاح۔ قبل الصباح۔ اے بدکار کمینے میں صبح سے پہلے نکاح چاہتی ہوں۔

اِس عمل کے بعد بہت جلد کوئی نہ کوئی اُس سے نکاح کر لیتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

تصنعی ما شئتِ ان تصنعی وکحلی عینكِ او لا فدعی ثم اجلی فی البیت او فی المجمع مالك فی بعلٍ ارئ من مطمع	تیرے جو جی میں آئے کر۔ اور اپنی آنکھوں میں سرمہ لگا یا نہ لگا۔ پھر گھر میں یا مجمع میں ایک پاؤں سے آہستہ آہستہ چل۔ لیکن میرے خیال میں تجھے شوہر ملنے کا نہیں ؂

ایک اَور شاعر کہتا ہے ؎

قد کحلت عینا واعفت عینا وجلت ونشرت قرینا تظن زینا ما تراہ شینا	ایک آنکھ کو سرمہ لگایا اور ایک کو نہ لگایا اور ایک پانوٗں سے آہستہ آہستہ چلی اور بال بکھیر لئے۔ جس بات کو تو موجب عیب جانتا ہے وہ اُس

کو موجب زینت گمان کرتی ہے ؂

ایک یہ رسم تھی کہ جس لڑکے کے لب پر پھنسیاں نکل آتیں وہ اپنے سر چھلنی رکھکر قبیلہ میں گھر گھر کہتا پھرتا۔ الحلا الحلا الطعام الطعام۔ عورتیں روٹی کے ٹکڑے اور چھوارے اور گوشت اس چھلنی میں ڈال دیتیں۔ پھر وہ لڑکا اُس کو کتوں کے آگے ڈال دیتا۔ کتّے اس کو کھا جاتے اور وہ اچھا ہو جاتا۔ اگر اَور کوئی لڑکا اُس میں سے کوئی چھوارہ یا لقمہ کھا لیتا تو اُس کے لب پر پھنسیاں نکل آتیں۔ ایک عورت کہتی ہے ؎

الا حلا فی شفتہٖ مشقوقۃٍ فقد قضی منخلنا حقوقہ	اے پھٹے ہوئے لب کی باقی رہی ہوئی بیماری اب تو جاتی رہ۔ کیونکہ ہماری چھلنی اپنے حقوق ادا

کر چکی ؂

عرب جاہلیّت کا یہ بھی قول تھا کہ جب آدمی سفر کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلے تو اُس کو پیچھے مُڑکر دیکھنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر وہ پیچھے مڑکر دیکھے گا تو اُسے رستہ ہی سے لوٹنا پڑے گا ؂

جاہلیّت میں جب کوئی شخص میدانوں اور بیابانوں کا سفر کرتا اور اسے درندوں

پھنسیوں کا علاج

سفر کی بعض رسوم

بیابان میں جنوں سے

کا خوف ہوتا تو جنگل میں جہاں درخت ہوتے ایک گول تودہ پر اپنی اونٹنی بٹھاتا اور اُسکے پاؤں باندھ دیتا۔ پھر اُس تودہ پر خط کھینچکر کہتا کہ میں اِس جنگل کے حاکم یا سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

قد بت ضیفا لعظیم الوادی	میں آج رات جنگل کے سردار کا مہمان ہوں جو دشمنوں
المانعی من سطوۃ الاعادی	کے حملہ سے مجھے بچائے گا۔
راحلتی فی جارہ وزادی	میری سواری اور توشہ اُس کی پناہ میں ہے ÷

ایک اَور شاعر کہتا ہے ؎

هیا صاحب الشجر اهل انت مانعی	اے درختوں کے مالک کیا تو مجھے دشمنوں
فانی ضیف نازل بفنائکا	سے بچائے گا؟ میں تیرا مہمان ہوں اور تیرے
وانك للجنان فی الارض سیّد	احاطہ میں مقیم ہوں تو زمین میں جنوں کا سردار ہے
ومثلك اوی فی الظلام الصعالکا	تجھ جیسا ہی محتاجوں کو اندھیرے میں ٹھکانا دیتا ہے

ایک اَور شاعر جس نے جنگل کے سردار سے پناہ مانگی تھی اور اُس کے بیٹے کو جو اس کے ساتھ تھا شیر کھا گیا تھا۔ کہتا ہے ؎

قد استعذنا بعظیم الوادی	ہم نے جنگل کے سردار سے اُن دشمنوں کی شر سے جو
من شر ما فیه من الاعادے	جو اُس میں رہتے تھے پناہ مانگی۔ سو اُس نے ہمیں شیر
فلو یجرنا من هزبر عادے	حملہ کرنے والے سے پناہ نہ دی ÷

اِسی بارہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ

وانّه کان رجال من الانس یعوذون	انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں کے بعض
برجال من الجن فزادوهم رهقا	اشخاص سے پناہ مانگتے تھے۔ سو انہوں

نے جنوں کی گمراہی اور بڑھا دی ؎ ÷

ا؎ دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ ÷

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ خرگوش کے ٹخنے کی گرہ گردن میں ڈالتے تھے - یہ اُن کے خیال میں سانپوں اور جنات سے محفوظ رہنے کا ایک ٹوٹکا تھا - ابن اعرابی کہتے ہیں کہ میں نے زید بن کثوہ سے کہا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جس کے گلے میں خرگوش کے ٹخنے کی گرہ ہو مکان کے جنات اور سانپ اُس کے نزدیک نہیں آتے - اُس نے کہا ہاں بخدا یہ بالکل صحیح ہے - نہ اُس کے پاس گھر کے جنات اور سانپ آئیں اور نہ حماطہ کا شیطان - اور نہ عشیرہ کا ہمسایہ اور نہ بیابان کی چڑیل +

حماطہ اور عِشیرہ دو درخت ہیں - جو عرب جاہلیت کے خیال میں جنات اور شیاطین کا مسکن ہیں +

ابو محلّم کہتا ہے کہ عرب کے لوگ لڑکے کے گلے میں لومڑی اور بلّی کے دانت ڈالتے تھے - اِس سے اُن کو نہ بچّے کو نظر لگنے کا اندیشہ رہتا تھا اور نہ جنّوں کے اُچک لیجانے کا - کہتے ہیں کہ ایک جنیہ نے ایک لڑکے کے اُچک لے جانے کا ارادہ کیا - لیکن وہ اس پر قابو نہ پا سکی - اِس پر اُس کی قوم کے جنات نے اس کو ملامت کی - جنّیہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا -

کانت علیه نفرة - ثعالبٌ وهررة والحیض حیض السمرة	اس کے پاس میرے بھگانے کی چیز تھی یعنی لومڑی اور بلّی کے دانت اور کیکر کے درخت کا رس +

کیکر کے رس سے وہ گوند مراد ہے جو اُس میں سے خون کی مانند سرخ سرخ بہتا ہے یہ رس عرب کے نزدیک بڑے کام کی چیز تھا جب عورت کے بچہ پیدا ہوتا تو اس کو لیکر نفساء کی پیشانی پر اس کے نقطہ لگا دیتے اور لڑکے کے منہ پر اُس سے ایک لکیر کھینچ دیتے ان چیزوں کو جو لڑکوں کے گلے میں ڈالی جاتی تھیں نفرات کہتے تھے یعنی جنات شیاطین کے بھگانے والی چیزیں[1] +

[1] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد دوم +

سفر میں جانیوالے کے پیچھے آگ جلانا

جاہلیت میں ایک رسم یہ تھی کہ جو شخص سفر کو جاتا اور لوگ اُس کا واپس آنا نہ چاہتے تو اُس کے پیچھے آگ جلاتے اور کہتے کہ خدا اسے دور کرے اور ہلاک کرے اور اس کے پیچھے آگ بھڑکائے یہ تو اسکے ساتھ کرتے جس کا واپس آنا نہیں چاہتے تھے لیکن جب خود سفر کو نکلتے تو اپنے اور اُس منزل کے درمیان جہاں کا قصد کرتے آگ جلاتے۔ اور اپنے اور اس منزل کے درمیان جس سے نکلتے تھے آگ نہیں جلاتے تھے یعنی اپنے آگے آگ جلاتے تھے اپنے پیچھے نہیں جلاتے تھے۔ یہ گویا ایک نیک فال تھی کہ ہم جہاں سے جاتے ہیں وہاں پھر لوٹ کر آئیں گے[۱]۔

منکے

جاہلیت میں چند قسم کے منکے رائج تھے۔ جو حُب کے عمل یا منتر کا کام دیتے تھے۔ ان منکوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سلوانہ جسے سلوہ بھی کہتے ہیں۔ ایک نہایت سفید اور شفاف منکا تھا۔ جسے گھسکر عاشق کو پلاتے تھے۔ اُن کے گمان میں اُس کے پینے سے اُسے تسلی ہو جاتی تھی۔ اور اُس کا عشق جاتا رہتا تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

سقونی سلوۃ فسلوت عنہا	اُنھوں نے مجھے سلوہ پلایا تو میں بجائے اِس کے
سقی اللہ المنیۃ من سقانیہ	کہ اپنی پیاری محبوبہ کو بھولتا خود سلوہ کو بھول گیا

اور میرا عشق اَور بڑھ گیا۔ سو جس نے مجھے وہ پلایا خدا اُسے موت کا پیالہ پلائے۔

(۲) ہنمہ۔ یہ منکا عورتوں کے کام کا تھا۔ وہ اس سے مردوں کے دل اپنی طرف کھینچتی۔ اور اُس کی تاثیر سے اُنھیں اپنا عاشق اور فریفتہ بناتی تھیں۔ جاہلیت کی عورتوں کا گمان تھا کہ جس عورت کے پاس یہ منکا رہتا ہے مردوں کے دل اُس کیطرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اِس کا ایک چھوٹا سا منتر بھی تھا جو اِس پر پڑھ کر دم کیا جاتا تھا۔ اور وہ منتر یہ ہے۔

---

[۱] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲۔

اخذتہ بالھنمہ باللیل زوج و بالنھار امہ	میں نے اسکو ہنمہ کے ساتھ قید کیا۔ سو وہ رات میں میرا خاوند بنکر رہے اور دن میں بند ور۔

(۳) فُسطہ

(۴) قُبلہ

(۵) وردبیس

یہ تینوں منکے بھی عورتیں مردوں کو اپنی طرف کھینچنے۔ اور اُن کا دل اپنی طرف مایل کرنے کے لئے اپنے پاس رکھتی تھیں۔ اِن کی تاثیر سے مرد اُن کے عاشقِ زار اور بے کوڑیوں غلام بن جاتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

جَمعَّنَ من قبلٍ لھن و فسطۃ والدردبیس تمائمافے منظم فانقاد کل مشذّبٍ مرس القوی لحبالھن و کل جلدٍ شیظم	اُن عورتوں نے اپنے لئے قُبلے۔ اور فُسطے۔ اور دردبیس جمع کئے۔ اور اُنہیں ایک لڑی میں پروکر بطور تعویذ اپنے پاس رکھا۔ اِس لئے ہر ایک قدآور۔ اور چھریرے بدن کا جنگی جوان۔ جو لڑائی کا

پورا ماہر اور مشاق۔ اور جوڑ بند سے درست تھا۔ اور ہر ایک چُست و چالاک۔ پھرتیلا۔ اور تن آور جوان۔ اُن کے جال میں پھنس کر بے کوڑیوں اُن کا غلام بن گیا ؛

بعض کا قول ہے کہ دردبیس ایک سیاہ منکا ہے جو اکثر پُرانی قبروں میں ملتا ہے۔ اُس کی تاثیر سے عورتیں اپنے شوہروں کی محبوبہ بن جاتی ہیں۔ اور اُس منکے کا منتر جو اُس پر پڑھکر دم کیا جاتا ہے یہ ہے۔

اخذتہ بالدردبیس۔ تدر العرق الیبیس۔ و تذر الجدید کالدریس	میں نے اُسکو دردبیس کے ساتھ پکڑا۔ جو تر کو خشک اور نئے کو پُرانا کر دیتا ہے ؛

ایک شاعر کہتا ہے ؎

قطعت القید والخرزات عنے	میں نے بیڑیوں اور آور منکوں کو توڑ کر اپنے

فمن لی من علاج الدردبیس	اُوپر سے پھینک دیا۔ لیکن دردبیس سے میرا علاج

کون کرے۔

دردبیس کے معنی لُغت میں سختی اور بلاء کے ہیں۔ اِس منکے کو اس کے سریع التاثیر اور قوی الاثر ہونے کی وجہ سے دردبیس کہتے ہیں۔

(۶) قرزحلہ۔ یہ منکا سوکنوں کے کام کا تھا۔ جب کوئی ایسی عورت جس کے سوکن ہوتی۔ اِسے پہن لیتی۔ تو اُس کا شوہر اُس کی طرف مایل ہو جاتا۔ اور اُس کی سوکن کی طرف مایل نہ ہوتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

لاتنفع القرزحلۃ العجابزا اذا قطعنا دونہا المفاوزا	جب ہم عورتوں کو چھوڑکر جنگلوں میں چلے جاتے ہیں تو اُن کو قرزحلہ نفع نہیں دیتا۔

(۷) عقرہ۔ یہ بھی ایک منکا تھا۔ جب عورت اسے اپنی کمر میں باندھ کر مرد کے ساتھ ہم بستر ہوتی تھی۔ تو اس منکے کی تاثیر سے اُس کو حمل نہیں ٹھیرتا تھا۔

(۸) ینجلب۔ یہ بھی ایک منکا تھا جو اہل جاہلیت کے گمان میں حُب کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا تھا اس کا منتر جو اس پر پڑھکر دم کیا جاتا تھا یہ ہے۔

اخذتہ بالینجلب۔ فلایرم ولایغب ولایزل عند الطنب۔	میں نے اُس کو ینجلب سے پکڑا سو وہ نہ اپنی جگہ سے ملے اور نہ غایب ہو۔ اور ہمیشہ میرے

خیمے کی رسّی سے بندھا رہے۔

ینجلب کے معنی بھاگنے کے بعد واپس آنے اور بغض کے بعد محبت کرنے کے ہیں۔ چونکہ یہ منکا نفرت اور نفور اشخاص کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے تھا۔ اِس لئے اِس کا یہ نام رکھا گیا۔

(۹) کرار۔ یہ منکا بھی حُب اور تسخیر کے لئے تھا۔ اِس کا منتر جو اس پر پڑھکر پھونکا جاتا تھا یہ ہے۔

یا کدار کدیہ۔ ان اقبل فسہیہ و ان ادبر فقضیہ۔ من فرجہ الیٰ فیہ	اے کرار اُسے جلد میرے پاس لوٹا کر لا اگر وہ ادھر متوجہ ہو تو اُسے خوش کر۔ اور اگر

اِس طرف رخ نہ کرے۔ اور پیٹھ پھیرے تو اُس کو اُس کی شرم گاہ سے لے کر اُس کے منہ تک تکلیف پہنچا ٭

(۱۰) ہمزہ۔ یہ منکا بغض کے لئے تھا۔ اور منتر اِس کا یہ ہے ۔

یا همزة اهمزیہ ۔ من اِسْتِہٖ الیٰ فیہ ومالہ وبنیہ۔	اے ہمزہ۔ اُس کے چوتڑ میں ایک ایسا برچھا لگا جو منہ میں نکل آئے۔ اور اُس کو

اُس کے مال اور اولاد سے دور کر دے ٭

(۱۱) خصمہ۔ یہ منکا حکّام اور سلاطین کو اپنے طرف مایل کرنے کے لئے تھا۔ اور اسے انگشتری کے نگینے کے نیچے۔ یا کرتے کی گھنڈی۔ یا تلوار کے میان میں رکھتے تھے۔ جس کے پاس یہ منکا ہوتا تھا حکّام وقت اس کی مرضی کے مطابق مقدّمہ طے کرتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

یعلق غیری خصمة فی لقائهم وما لی علیکم خصمة غیر منطقی	میرے سوا اَور لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو اپنے گلے میں خصمہ لٹکا لیتے ہیں۔ لیکن میرے پاس

تمہارے لئے سوائے میری تقریر کے اَور کوئی خصمہ نہیں ہے ٭

(۱۲) وجیہہ۔ یہ منکا عقیق کی مانند سرخ رنگ کا تھا۔ اور اعمال حُبّ میں کام آتا تھا

(۱۳) عطفہ۔ یہ منکا بھی محبت کے لئے تھا ٭

(۱۴) کحلہ۔ ایک سیاہ منکا تھا۔ جسے نظر بد سے بچنے کے لئے لڑکوں کے گلے میں ڈالتے تھے ٭

(۱۵) قُبلہ قسم دیگر۔ ایک سفید منکا تھا۔ جسے نظر بد سے بچنے کے لئے گھوڑے کی گردن میں ڈالتے تھے ٭

(۱۶) قسطہ قسم دیگر۔ یہ منکا دشمن کے مارنے اور بیمار کرنے کے لیئے تھا۔ منتر اس کا جو اِس پر پڑھکر دم کیا جاتا تھا یہ ہے۔

اخذتہ بالقسطہ۔ بالثوبا والعطسہ
فلا یزل فی تعسہ۔ من امرہ ونکسہ
حتّٰی یزور رمسہ

میں نے اُسے قسطہ۔ اور جماہی۔ اور چھینک کیسا تھ پکڑا۔ سو وہ ہمیشہ ہلاکت میں پڑا رہے اور ہمیشہ سرنگوں رہے یہانتک کہ اپنی قبر میں جا سوئے۵

محبت کے لیئے ایک یہ منتر تھا۔

ھوابہ۔ ھوابہ۔ البرق والسحابہ
اخذتہ بمرکن۔ فحبہ تمکن
اخذتہ بابرہ۔ فلا یزل فی عبرہ
جلبتہ باشفی۔ فقلبہ لا یھدے
جلبتہ بمبرد۔ فقلبہ لا یبرد

بجلی اور بادل اُس کے دل میں میرے عشق و محبت کی آگ لگادے۔ اور اُسے ہر دم بے قرار رکھے۔ میں نے اُسے لگن کے ساتھ پکڑا ہے۔ سو میری محبت اُس کے دل میں گھر کر جائے۔ میں نے اُسے سوئی کے ساتھ پکڑ لیا ہے۔ سو وہ ہمیشہ غمگین اور آنسو بہاتا رہے۔ میں نے اُسے اپنی طرف ستاری کے ساتھ کھینچا ہے۔ سو اُس کا دل راہ نہ پائے۔ اور وہ کہیں کا نہ رہے۔ میں نے اُسے سوہان کے ساتھ کھینچا ہے۔ سو اُس کا دل ٹھنڈا نہ ہو۵

جس عورت کو اپنے شوہر سے نفرت ہوتی۔ اور اُس کی طبیعت اُس سے میل نہ کھاتی وہ اُس کے سفر کی منتظر رہتی۔ جب وہ سفر جاتا تو وہ عورت یہ منتر پڑھتی۔

یا فولے القمر۔ وظل الشجر۔ شمال تشملہ
ودبور تدبرہ۔ ونکباء تنکبہ
شیک فلا انتقش۔

چاند کے چھپنے۔ اور درختوں کے سایہ کے ساتھ باد شمال اُسے شمال کو لے جائے۔ اور پچھوا پچھم کو۔ اور چوبادی ہوا اُسے چاروں طرف کو دھکیلے۔ اُس کے کانٹا لگے۔ اور پھر نہ نکلے۔

۵ دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

یہ منتر پڑھکر اُس کے پیچھے چند کنکریاں۔ اور کھجور کی گٹھلیاں۔ اور گوبر اور مینگنیاں پھینکتی۔ اور یہ کلمات کہتی۔

حصاۃ حصت اثرہ۔ ولواۃ نات دارہ ورو ثتر اثنت خبرہ۔ لقعتہ بعرۃ	کنکریوں سے اُس کا نام ونشان مٹ جائے اور اُس کا کھوج باقی نہ رہے۔ گٹھلیوں

کی تاثیر سے اُس کا گھر دور ہو جائے۔ اور گوبر سے وہ ایسا گم ہو جائے کہ پھر کہیں اس کا پتا ہی نہ چلے۔ اور کسی کو اُس کی خبر نہ ملے۔ میں نے اُس کے مینگنیاں پھینک کر ماری ہیں اِس سے اُس کے تمام بدن میں آگ لگ جائے[۵]۔

اِس کے علاوہ جاہلیت میں اَور بھی بہت سے تعویذ اور منتر رائج تھے شریعت غرا اسلام نے ان تمام خرافات ولغویات کی بیخ کنی کی۔ اور یہ ہدایت فرمائی کہ نفع ونقصان کی مالک فقط ایک ذات پاک وحدہ لاشریک لہ ہے پس اپنی تمام حاجتیں اُسی سے مانگو۔ اور اپنے رنج ومصیبت کے وقت اُسی کو پکارو۔ اُس کے سوا دوسری طرف رجوع ہونے میں دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔

اگر کسی کی آنکھ کسی کے کپڑے سے چھوائی جاتی تو اُس کے لئے یہ عمل کرتے۔ کہ جس کے کپڑے سے چھوائی جاتی۔ وہ اُس کی آنکھ پر سات دفعہ ہاتھ پھیرتا۔ اور

پہلی دفعہ۔ یاحلاۃ جاءت من المدینۃ۔ ایک کے ساتھ جو مدینے سے آئی۔
دوسری دفعہ۔ باثنتین جاءتا من المدینۃ۔ دو کے ساتھ جو مدینے سے آئیں۔
تیسری دفعہ۔ بثلاث جئن من المدینۃ تین کے ساتھ 〃
چوتھی دفعہ۔ باربع جئن من المدینۃ چار کے ساتھ 〃
پانچویں دفعہ۔ بخمس جئن من المدینۃ پانچ کے ساتھ 〃
چھٹی دفعہ۔ بستّ جئن من المدینۃ چھ کے ساتھ 〃

---

[۵] دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳۔

ساتویں دفعہ۔ بسبع جئن من المدینۃ[۱] سات کے ساتھ جو مدینے سے آئیں۔ کہتا۔ اس عمل کے کرنے سے اِس کی آنکھ کو آرام ہو جاتا +

عرب جاہلیّت ٹوٹکوں اور شگون پر بھی حد درجہ کا اعتقاد رکھتے تھے۔ جب کوئی مصیبت یا تباہی اُن پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھکر پھونکتے تھے۔ اور اُن کو پھینکتے تھے۔ اور یہ توقع رکھتے کہ ایسا کرنے سے اُن کی وہ مصیبت دور ہو جائیگی۔ جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے بھی نیک و بد شگون لیتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں طرف سے دائیں طرف رستہ کاٹ جاتا تو اُس کو نیک شگون سمجھتے۔ اور اُس کو سانح کہتے۔ لیکن اگر دائیں جانب سے بائیں طرف رستہ کاٹ جاتا تو اُس کو بدشگونی سمجھتے۔ اور اُس کو جارح کہتے۔ اِسی طرح پرند اُڑاتے اگر دہنی طرف کو اُڑنا شروع کرتا تو اُسے فال نیک تصوّر کرتے۔ اور اگر بائیں طرف کو اڑتا تو اُسے منحوس خیال کرتے اور اپنے ارادہ سے باز رہتے۔ اِس قسم کے تفاؤل کا عام نام طیرہ تھا +

لبید بن ربیعہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس موقعہ پر جب کہ اُس کے بھائی پر بجلی گری۔ اور اُس کے صدمہ سے وہ مرگیا۔ یہ شعر کہا تھا ؎

---

[۱] بعض یہ الفاظ کہتے تھے۔

(۱) باحدیٰ من سبع جئن من المدینۃ اُن سات میں سے ایک کے ساتھ جو مدینے سے آئیں

(۲) باثنتین۔ من سبع جئن من المدینہ۔ اُن سات میں سے دو کے ساتھ ״

(۳) بثلاثٍ۔ ״ . . . . اُن سات میں سے تین کے ساتھ ״

(۴) باربعٍ۔ ״ . . . . اُن سات میں سے چار کے ساتھ ״

(۵) بخمسٍ۔ ״ . . . . اُن سات میں سے پانچ کے ساتھ ״

(۶) بست۔ ״ . . . . اُن سات میں سے چھ کے ساتھ ״

(۷) بسبعٍ۔ ״ . . . . اُن سات میں سے سات کے ساتھ ״

لعمرك ما تدری الضوارب بالحصٰی
ولا زاجرات الطیر ما اللہ صانع

تیری جان کی قسم کہ کنکریاں پھینکنے اور پرند اڑانے والیوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ خدا کیا کرے گا *

جاہلیّت میں یہ بھی عام اعتقاد تھا کہ ہر شاعر پر ایک جن مؤکل ہے۔ جو اُس کو اشعار القاء کرتا ہے۔ یہ اعتقاد تمام شعراء عرب کا تھا اور اس پر سب کا اتفاق تھا۔ چنانچہ انہوں نے اکثر شعراء کے جنّات کے نام بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً اعشٰی کے جنّ کا نام مسحل تھا۔ فرو بن قطن کے جہنام۔ مخبّل کے عمرو۔ بشّار کے سنقناق *

عربوں کا یہ اعتقاد مشہور ہے۔ اور شعراء جاہلیّت کے اشعار اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

فان شیطانی امیر الجن
یذهب بی فی الشعر کلّ فن

میرا شیطان جنّات کا سردار ہے۔ جو مجھے ہر فن کے اشعار کے میدان میں لئے پھرتا ہے *

حسان بن ثابت رضؓ کہتے ہیں ؎

ولی صاحب من بنی الشیصبان
فطورًا اقول وطورًا هو

(جنات) بنی شیصبان میں سے میرا ایک رفیق ہے سو کبھی میں شعر کہتا ہوں اور کبھی وہ۔

ابو النجم کہتا ہے ؎

انی وکل شاعر من البشر
شیطانه انثٰی وشیطانی ذکر

مجھ میں اور اور شاعروں میں یہ فرق ہے کہ اُن کے شیطان مادہ ہیں اور میرا شیطان نر ہے *

اعشٰی کہتا ہے ؎

دعوت خلیلی مسحلا ودعوا له
جهنام جدعا للهجین المذمم

میں نے اپنے دوست مسحل کو بلایا اور انہوں نے کمینے اور دوغلے قابل مذمّت شخص کی ناک کٹوانے کے لئے جہنام کو بلایا *

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

لقد کان جنّی الفرزدق قدوۃ	بے شک فرزدق کا جن مقتدا تھا۔
ولا کان فینا مثل فحل المخبّل	اور ہم میں مخبل کے نر (شیطان) کی مانند کوئی نہیں
ولا فی القوافی مثل عمرو وشیخہ	ہوا۔ اور نہ شعرگوئی میں کوئی شخص مثل عمرو اور
ولا بعد عمرو شاعر مثل مسحل	اس کے شیخ کی ہوا اور نہ عمرو کے بعد کوئی شاعر

مثل مسحل کی ہوا۔

قصہ مسحل

مسحل اعشی کے جن کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ جسے ہم ناظرین کی تفریح طبع کے لئے نقل کرتے ہیں ÷

جریر بن عبد اللہ بجلی صحابی رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ زمانہ جاہلیت میں میں سفر میں تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اُسے پانی پلانے ایک تالاب پر لے گیا۔ جب میں تالاب کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُس کے پاس کچھ آدمی جمع ہیں۔ جن کی صورتیں نہایت بُری اور بدشکل ہیں۔ میں اپنے اونٹ کو پانی پلانے لگا۔ اِسی اثنا میں اُن کے پاس ایک اور شخص آیا جس کی صورت اُن سب سے زیادہ بُری تھی۔ اُنھوں نے اُسے دیکھکر کہا کہ یہ شخص شاعر ہے۔ پھر اُس سے کہا کہ اے ابو فلاں اس شخص کو جو اپنے اونٹ کو پانی پلا رہا ہے اپنے کچھ اشعار سنا کیونکہ یہ شخص کمزور ہے۔ اُس نے ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس کا مطلع یہ ہے ؎

ودّع ھُریرۃ ان الرکب مرتحل	اے ھریرہ ابھی رخصت کر کیونکہ قافلہ کوچ
وھل تطیق وداعا ایھا الرجل	کرنے والا ہے اور اے شخص تو جو اُس سے رخصت

ہونا چاہتا ہے تو کیا تو اس سے رخصت ہونے کی طاقت رکھتا ہے ÷

جریر قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بخدا مجھے اُس نے اِس قصیدہ کی ہر ایک بیت پڑھکر سُنا دی۔ اور اس میں سے ایک بیت بھی کم نہ کی۔ جب میں اوّل سے آخر تک سارا

قصیدہ اس کی زبان سے سن چکا۔ تو میں نے اُس سے کہا کہ یہ قصیدہ کس نے کہا ہے۔ اُس نے کہا کہ اَور کون کہتا میں نے ہی کہا ہے۔ اس پر میں نے اُس سے کہا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو جھوٹا بنے گا تو میں تجھے یہ خبر دیتا کہ یہ قصیدہ ہم کو اعشیٰ قیس بن ثعلبہ پچھلے سال نجران میں سنا چکا ہے۔ اُس نے کہا تو بالکل سچ کہتا ہے۔ لیکن اُس کی زبان پر میں نے ہی تو اس کو القاء کیا تھا۔ میں اس کا ہاجس (ملہم) مشخل ہوں +

اعشیٰ کا خود اپنا بیان ہے کہ میں نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں ایک قصیدہ کہا۔ پھر میں اُس سے ملنے اور اُس کو اپنا قصیدہ سنانے کی غرض سے حضرموت کو روانہ ہوا۔ جب یمن کی سرحد میں پہنچا تو رستہ بھول گیا۔ کیونکہ میں وہ رستہ اِس سے پہلے کبھی نہیں چلا تھا۔ اِس پر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ بارش ہونے لگی۔ میں نے اِدھر اُدھر اپنی نظر دوڑائی۔ تاکہ کوئی پناہ کی جگہ نظر آئے تو میں اُس میں پناہ پکڑوں۔ اسی تلاش میں میری نظر بالوں کے ایک خیمہ پر پڑی۔ میں سیدھا اس کی طرف چل دیا۔ جب میں خیمہ کے پاس پہنچا تو میں نے اُس کے دروازہ پر ایک بڈھا بیٹھا دیکھا۔ میں نے اُس کو سلام کیا۔ اُس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اور میری اونٹنی کو ایک دوسرے خیمہ میں داخل کر دیا جو اُسی خیمہ کے ایک جانب لگا ہوا تھا۔ میں اپنا کجاوہ کھول کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جانا چاہتا ہے۔ میں نے کہا میں اعشیٰ ہوں اور قیس بن معدیکرب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا خدا تجھے زندہ رکھے تیری نسبت میرا گمان ایسا ہے کہ شاید تو نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں کوئی قصیدہ کہا ہے اور اُسے اس پر پیش کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہاں تمہارا گمان صحیح ہے۔ میں نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ اُس نے کہا تو وہ قصیدہ مجھے بھی سنا۔ میں نے اس کو قصیدہ کا یہ مطلع سنایا۔

رحلت سُمیۃ غدوۃً اجمالھا	سُمیّۃ نے تجھ سے ناراض ہو کر صبح ہی صبح اپنے
غضباً علیک فما تقول بدا لھا	اونٹ کس لئے۔ اے دل اب تیری اِس

بارہ میں کیا رائے ہے بھلا یہ اُسے کیا سوجھی ؛

یہ مطلع سُن کر اُس نے مجھ سے کہا کہ بس کر۔ اَور اشعار سنانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے پھر مجھ سے کہا کہ کیا یہ قصیدہ تیرا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے کہا سُمیّۃ جس کے نام کے ساتھ تو نے تشبیب کی ہے کون ہے۔ میں نے کہا کہ میں اُسے نہیں جانتا۔ یہ ایک نام ہے جو میرے دل میں القاء کیا گیا تھا۔ اُس پر اُس نے آواز دی کہ اے سُمیّۃ باہر نکل۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پانچ برس کی لڑکی نکلی۔ اور ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور کہا کہ ابّا جان کیا حکم ہے۔ اُس نے کہا کہ اپنے چچا کو میرا وہ قصیدہ سنا جو میں نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں کہا ہے اور اُس کے اول میں میں نے تیرے نام کے ساتھ تشبیب کی ہے۔ اُس نے وہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور اوّل سے آخر تک سارا سنا دیا اُس میں سے ایک حرف کی بھی کمی نہ کی۔ جب وہ سارا قصیدہ سنا چکی تو اُس نے اُس سے کہا کہ اب چلی جا ؛

اُس کے چلے جانے کے بعد پھر وہ میری طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ اس قصیدہ کے سوا تو نے کبھی اَور کوئی قصیدہ بھی کہا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ میرے اور میرے ایک چچازاد بھائی کے درمیان جس کا نام یزید بن مسہر اور کنیت ابو ثابت ہے نخ چخ تھی۔ جیسے اکثر چچازاد بھائیوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ اِس پر اُس نے میری ہجو کی اور میں نے اس کی ہجو کی۔ لیکن میں اس سے فوقیت لے گیا اور اُس پر غالب آیا۔ چنانچہ میں نے اُسے بالکل ساکت کر دیا۔ اُس نے کہا وہ قصیدہ مجھے بھی سنا۔ میں نے اس کو قصیدہ سنانا شروع کیا۔ اور یہ مطلع پڑھا ؏

ودعّ ھُریرۃ ان الرکب مرتحل وھل تطیق وداعا ایھا الرجل	اے ہُریرہ اب ہمیں رخصت کر قافلہ جانے والا ہے اور اے شخص تو جو ہُریرہ سے رخصت

مانگتا ہے کیا تو اس سے رخصت ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔

جب میں نے اُسے یہ مطلع سنایا تو اُس نے کہا کہ بس کر اور کچھ ضرورت نہیں۔ مجھے یہ بتلا کہ یہ ہُریرہ کون ہے۔ جس کے نام سے تو نے اس قصیدہ میں تشبیب کی ہے۔ میں نے کہا۔ میں اُسے بھی نہیں جانتا۔ جو سُمیّہ کا حال تھا وہی اس کا حال ہے اس پر اُس نے آواز دی کہ اے ہُریرہ باہر نکل۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی جس کی عمر پہلی ہی کے قریب تھی نکلی۔ اور ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ بڈھے نے اس سے کہا کہ اپنے چچا کو میرا وہ قصیدہ سنا جس میں میں نے ابوثابت یزید بن مشہر کی ہجو کی ہے اور اس میں تیرے نام کے ساتھ تشبیب کی ہے۔ اُس نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور اُس کو اول سے آخر تک سارا سنا دیا۔ اس میں سے ایک حرف بھی کم نہ کیا۔ اسوقت مجھے سخت ندامت ہوئی۔ ایک حیرانی اور سکتہ کے عالم میں ہو گیا۔ اور شرم سے میرا سر نیچے جھک گیا۔ اور مجھ پر لرزہ چڑھ گیا۔ اُسنے جب میری یہ کیفیت دیکھی تو مجھے دلاسا دیا اور کہا کہ اے ابوبصیر تو گھبرا نہیں۔ اپنا دل قوی رکھ۔ میں تیرا ہاجس مسحل بن اُثاثہ ہوں۔ میں ہی تیری زبان پر اشعار القاء کرتا ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تو اسوقت میرے دل کو تسکین ہوئی اور اپنے آپے میں آیا۔ اس عرصہ میں مینہ بھی بند ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے رستہ بتلایا۔ اور جس طرف میں جانا چاہتا تھا وہ سمت مجھے دکھلا کر کہا۔ کہ دہنے بائیں نہ مڑنا۔ سیدھا چلا جا۔ بلادقیس ہی میں جا پہنچے گا[1]۔

اسی اعتقاد کی بناء پر جو اوپر مذکور ہوا شعراء کو جنون کا کتا کہا جاتا تھا۔ یعنی شعراء

---

[1] اغانی۔

جنوّن کے بھونکانے سے بھونکتے ہیں۔ عمرو بن کلثوم اپنے معلقہ میں کہتا ہے ؎

وانزلنا البیوت بذی طلوح الی الشامات تنفی الموعدینا وقد هرت کلاب الجن منا وشذّبنا قتادۃ من یلینا	ہم نے اپنے خیمے ذی طلوح سے شامات تک لگائے ان مقامات سے ہم اپنے دشمنوں کو جو ہمیں ڈراتے تھے نکال رہے تھے۔ اور ہمیں مسلح دیکھکر جنوں کے کتے بھونک رہے

تھے اور جو ہمارے دشمن ہم سے قریب تھے ہم نے اُن کی شوکت توڑ دی ؞

اِن اشعار میں کلاب جن سے عمرو بن کلثوم کی مُراد شعراء ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے مقام ذی طلوح سے لیکر شامات تک اپنے خیمے لگائے۔ اور ان مقامات سے ہم نے اپنے دشمنوں کو جو ہمیں دھمکیاں دے دے کر ڈراتے تھے نکالا اور اُن کی شوکت توڑ دی۔ جب ہم ایسا کر رہے تھے تو جنوں کے کتے بھونک رہے تھے یعنی شعراء ہمارا ذکر کر رہے تھے اور یہ اِس لئے کہا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ شعرا کو اشعار جنات القاء کرتے ہیں ؞

اِسی خیال کی بناء پر جو اُوپر مذکور ہوا اشعار کو شیاطین کا منتر بھی کہتے تھے۔ جیسے کہتا ہے ؎

رایت رقی الشیطان لاتستفزہ وقد کان شیطانی من الجن راقیا	میں نے شیطان کے منتر کو دیکھا کہ وہ اسے حرکت نہیں دیتا۔ حالانکہ میرا شیطان جنوں

کا منتر کرتا تھا ؞

مہمانوں کی خاطر آگ جلانا

جاہلیت کے سخی اور داتا لوگوں کا دستور تھا کہ رات میں اونچی جگہوں پر آگ جلاتے تھے۔ اس سے اُن کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اندھیری رات میں مہمان ٹکریں کھاتا نہ پھرے اور آگ کو دیکھکر اُس کے پاس چلا آئے تاکہ وہ اُسے کھانا کھلائے اور اُس کی خدمت کرے۔ شعرائے جاہلیت کے اشعار میں اس کا ذکر اور اس کے ساتھ

فخر کرنا کثرت سے پایا جاتا ہے ایک شاعر کہتا ہے ؎

انی اذا خفیت نار لمرملة الفی بارفع تل رافعا ناری	جب بوجہ قحط اور سختی کے بیوہ عورت اور مرد بے توشہ کے لئے آگ مخفی ہو جاتی ہے۔ تو

میں اونچے ٹیلہ پر آگ جلاتا ہوا پایا جاتا ہوں +

ایک یہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی مسافر رات کے اندھیرے میں بھٹکتا پھرتا اور راہ نہ پاتا تو زمین میں لیٹ کر کتّے کی آواز بولتا۔ اِس سے غرض یہ ہوتی تھی کہ اگر آس پاس کوئی قبیلہ ٹھیرا ہوا ہوگا تو اُس کے کتے اس کی آواز سن کر بھونکیں گے اور اس طرح وہ اس قبیلہ کا مہمان جا بنے گا۔ اس رسم کا ذکر بھی جاہلیّت کے اشعار میں بہت آیا ہے۔ ابن ہرمہ کہتا ہے ؎

واذا اتانا طارق متنور بنحت فدلته علیّ کلابی وفرحن اذا بصرنه یضربنه من انسها بشرا شرالاذناب	جب کوئی آگ کا طالب رات کا مسافر ہمارے پاس آتا ہے تو میرے کُتّے بھونکتے ہیں اور اُس کو میری طرف رہبری کر دیتے ہیں جب اُسے دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور اُس سے

مانوس ہو کر اپنی دُمیں ہلاتے ہیں +

اہل عرب مہمان کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے۔ جب کسی کے پاس مہمان آتا تھا تو مارے خوشی کے اُس کا چہرہ بشاش ہو جاتا اور اُس سے مرحبا اور تعظیم و تکریم سے ملتا۔ اور جہاں تک جلد ممکن ہو سکتا اُس کے آگے کھانا لاکر رکھتا اور اس بات سے ڈرتا کہ کہیں اس مہمان کو کوئی دوسرا شخص نہ لے جائے عربوں میں یہ سنّت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلی آتی تھی۔ ان کی مہمانی نوازی مشہور عالم ہے +

مسئلہ ... (handwritten margin note, illegible)

جاہلیّت کی آگیں

جاہلیّت کے لوگوں میں چند قسم کی آگیں جلانے کا دستور تھا۔ یہ آگیں مختلف عوارض وحادثات کے ظہور کے وقت جلائی جاتی تھیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

نارالقِریٰ۔ جسے نارالضیافہ بھی کہتے ہیں۔ یہ آگ رات کو بھولے بھٹکے مسافروں کی رہبری کے لئے جلائی جاتی تھی۔ مزید شہرت کی غرض سے اس آگ کو اونچی جگہوں پر جلاتے اور اُس میں مندلی رطب جو ایک قسم کی خوشبو ہے ڈالتے۔ تاکہ خوشبو کے ذریعہ سے نابینا بھی رستہ معلوم کرلیں۔ جاہلیّت کے لوگ اس آگ کو تمام آگوں سے افضل جانتے تھے۔ کیونکہ اس آگ سے رستہ پاکران کے ہاں مہمان آتے تھے۔ جن کے آنے کے وہ ہمیشہ خواہشمند رہتے تھے۔ چونکہ اس آگ سے اُن کا مقصود سخاوت وفیاضی۔ اور غریب الوطن مسافروں کی دستگیری تھی۔ اس لئے اس آگ جلانے پر وہ ہمیشہ فخر کرتے۔ اور اپنے اشعار میں اپنی تعریفیں کرتے تھے +

نارمزدلفہ۔ یہ آگ مزدلفہ میں جلائی جاتی تھی۔ اور مقصود اس آگ جلانے سے یہ تھا کہ جو لوگ عرفات سے مزدلفہ میں آئیں وہ اس کی روشنی سے رستہ پائیں۔ اس آگ کی روشنی مزدلفے سے عرفات تک پہنچتی تھی۔ سب سے پہلے یہ آگ مزدلفہ میں قُصّی بن کلاب نے جلائی تھی پھر اس کے بعد ہمیشہ رائج رہی +

نارالتحالف۔ جب دو فریق آپس میں ایک دوسرے کی نُصرت وامداد کے عہد کرنے کا ارادہ کرتے تو آگ جلاتے اور اُس کے پاس قسم کھاکر ایک دوسرے کی نصرت وامداد پر عہد کرتے۔ اور یہ دعا مانگتے کہ جو اپنے عہد کو توڑے وہ آگ کی خیر سے محروم رہے۔ اِس آگ میں نمک اور گندھک ڈالتے تھے۔ جب آگ خوب بھڑکنے لگتی تو قسم کھانے والے سے کہتے کہ یہ آگ تجھے ڈراتی ہے۔ اگر اُس شخص کا ارادہ

جھوٹی قسم کھانے کا ہوتا تو وہ قسم کھانے سے رُک جاتا۔ اور اگر اس کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ نہ ہوتا تو وہ بے تامل قسم کھا لیتا۔ چونکہ یہ آگ جھوٹی قسم کھانے سے ڈراتی تھی اسواسطے اس کا نام نار ھول یعنی ڈرانے والی آگ بھی تھا۔ آگ کی تخصیص اس واسطے کی تھی کہ اس کا نفع فقط انسان ہی کے ساتھ مختص ہے۔ انسان کے سوا اور کسی حیوان کو اس سے نفع نہیں پہنچتا +

نار الغدر۔ جب کوئی شخص کسی کو پناہ دیکر اس کے ساتھ عہد شکنی کرتا۔ تو حج کے دنوں میں منا میں ایک اونچی جگہ پر آگ جلاتے اور پھر خوب چلّا کر کہتے کہ یہ فلاں شخص کے غدر کی نشانی ہے۔ لوگوں کو اُس سے بچنا چاہیئے +

نار السلامۃ۔ جب کوئی شخص سفر سے سلامت اور کامیاب واپس آتا تو اس کے لئے آگ جلاتے +

نار الطرد۔ جب کوئی شخص رخصت ہوتا اور اس کا واپس آنا نہ چاہتے تو اُسکے پیچھے آگ جلاتے اور اُس کے لئے اس طرح بد دعا کرتے۔ خدا اسے دور کرے اور ہلاک کرے۔ اور اس کے پیچھے آگ بھڑکائیے +

نار الاھبہ۔ جب کسی قوم پر چڑھائی یا لشکرکشی کا ارادہ کرتے تو پہاڑ پر آگ جلاتے تاکہ سب لوگوں کو خبر پہنچ جائے اور سب ایک جگہ جمع ہو جائیں +

نار الصید۔ یہ آگ ہرنوں کو شکار کرتے وقت جلاتے تھے تاکہ اسکی روشنی سے اُن کی آنکھیں چندھیا جائیں اور بھاگ نہ سکیں۔ شتر مرغ کے انڈے بھی آگ جلا کر ڈھونڈتے تھے +

نار الاسد۔ جب شیر کا خوف ہوتا تھا تو آگ جلاتے تھے تاکہ آگ کو دیکھکر اُسے فکر لاحق ہو جائے اور حملہ نہ کر سکے +

نار السلیم۔ یہ آگ مارگزیدہ اور کوڑے لگے ہوئے۔ اور خون بہتے ہوئے مجروح اور دیوانے کتے کے کاٹے ہوئے اشخاص کے لئے اس غرض سے جلائی جاتی تھی کہ نہیں

نیند نہ آئے اور ان کی تکلیف بڑھ جائے جس سے وہ مرجائیں[1]۔

نارالفداء۔ جب بادشاہ کسی قبیلہ کی عورتیں پکڑ کر لے جاتے تھے۔ تو اُس قبیلہ کے سردار اور معزز لوگ اُن کے پاس فدیہ لیکر اپنی عورتیں چھڑانے جاتے تھے۔ بادشاہ عورتوں کی فضیحت اور رسوائی کے خوف سے اُن کو دن میں واپس دینا پسند نہ کرتے۔ اور اندھیرے میں اُن عورتوں کی تعداد معلوم نہ ہوتی جن کو وہ اپنے لئے انتخاب کر کے روک لیتے۔ اسواسطے عورتوں کو واپس دیتے وقت آگ جلاتے۔

نارالاستمطار۔ جب قحط پڑجاتا اور بارش نہ ہوتی تو گایوں کی دُموں میں سلع اور عشر کی لکڑیوں کے گٹھے باندھتے اور اُن میں آگ لگا کر اُن کو دشوار گزار پہاڑوں پر چڑھاتے۔ اور اُس کو بارش کے اسباب میں سے خیال کرتے۔

ان آگوں کے علاوہ اَور بھی چند قسم کی آگیں تھیں۔ لیکن چونکہ اُن کو رسوم سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ہم ان کا ذکر کر کے فضول کتاب کا حجم بڑھانا پسند نہیں کرتے۔

بعض خوبیاں

عرب جاہلیت میں جہاں یہ ہزاروں بیہودہ اور لغو رسمیں رائج تھیں وہاں اُن میں چند عمدہ اور قابل تعریف باتیں بھی تھیں۔ سخاوت شجاعت۔ مہمان نوازی اور مفلس و محتاج لوگوں کی خبر گیری اُن کے خمیر میں داخل تھی۔ اپنے قول و قرار کے

---

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب کے فاضل اور لایق مصنف نے اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ مارگزیدہ کے لئے جو آگ جلائی جاتی تھی۔ اُس سے اُس کا مارنا ہرگز مقصود نہیں تھا۔ بلکہ اُس کے پاس آگ جلانے کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ بیدار رہے اور اُسے نیند نہ آنے پائے۔ تاکہ سونے میں سانپ کا زہر کل بدن میں سرایت نہ کر جائے۔ شاید مصنف موصوف سے سہو ہوگیا ہے۔ ورنہ دوسری جگہ اُس نے خود نضر بن شمیل رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ جس میں بیداری کی یہی وجہ بیان کی گئی ہے۔ جو ہم نے بیان کی ہے۔ جیسا کہ ہم سابق میں صفحہ ۱۳۷ میں لکھ چکے ہیں۔

سچے تھے۔ اورارادے کے پورے۔ ظلم کے دفع کرنے۔ عہد کے پورا کرنے۔ ہمسایہ اور مہمان کیساتھ سلوک کرنیکی ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہتے تھے۔ ان کی یہ خوبیاں مشہور عالم ہیں۔ جن سے اُن کے قصاید اور دواوین پر ہیں۔ سخاوت میں دنیا میں سب سے زیادہ مشہور شخص حاتم طائی ہے۔ جو خاک پاک عرب کا باشندہ اور اُس زمانہ کا شخص تھا جسکو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ قسمت کی بات ہے کہ عوام میں سب سے زیادہ شہرت حاتم طائی کو حاصل ہوئی ورنہ عرب جاہلیّت میں ہزاروں حاتم طائی موجود تھے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ہر شخص حاتم طائی ہی تھا تو کچھ بیجا نہیں ہے۔ کعب بن مامہ ایادی۔ اوس بن حارثہ۔ ہرم بن سنان۔ عبداللہ بن حبیب عنبری۔ عبداللہ بن جدعان تیمی۔ قیس بن سعد۔ عیدۃ الکلابیۃ۔ قتادہ بن مسلمہ حنفی مطاعیم الریح۔ ازواد الرکب۔ حاتم طائی۔ یہ سب لوگ جود وکرم اور سخاوت وفیاضی میں ضرب المثل ہیں۔ اور سوائے چند مسلمانوں کے تمام دنیا میں ان کے برابر کوئی سخی نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ نفس سخاوت اور فیاضی جاہلیت کے ہر شخص میں موجود تھی۔ اہل تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عرب جاہلیّت کے اُن اسخیاء کا استقصاء واستیعاب بھی ناممکن ہے جو سخاوت میں ضرب المثل گزرے ہیں عام اسخیاء کا تو ذکر ہی کیا ہے +

عرب جاہلیّت کے لوگ ایفاء عہد اور وعدے میں بھی تمام دنیا سے سبقت لے گئے تھے۔ عوف بن محلّم۔ حنظلہ بن عفراء۔ حارث بن ظالم مری۔ ابو حنبل طائی۔ حارث بن عباد۔ سموأل بن عادیا۔ فکیہہ بنت قتادہ۔ ام جمیل دوسیہ۔ ایفاء عہد میں ضرب المثل ہیں۔ اگر ہم ان سب کی وفا کا مفصل حال لکھیں تو ایک بڑی کتاب تیار ہو جائے۔ یہ لوگ ضرب المثل ہیں۔ عرب کی وفاء مشہور ہے اس سے بڑھکر اور کونسی بات ہو سکتی ہے کہ عہد شکن بیٹے کو باپ اپنی ابنیت سے خارج کر دیتا تھا۔ جاہلیت کے لوگوں میں حمیت اور غیرت بھی تمام دنیا سے زیادہ تھی۔ اور اس صفت میں وہ حد اعتدال سے بڑھ گئے تھے۔ جو حد سے نکل کر ذم میں داخل تھی۔ بیچاری بے گناہ لڑکیوں کو مار ڈالنا اُن کی حمیت اور غیرت ہی کا باعث تھا +

عرب جاہلیت میں یہ بھی بڑی خوبی تھی کہ وہ یتیموں کا مال کھانا حرام جانتے تھے۔ اور اُن کی شان کو بہت بڑا خیال کرتے تھے۔ نہ اُن کے مال کو ہاتھ لگاتے تھے۔ نہ اُن کی سواری پر سوار ہوتے تھے اور نہ اُن کا کھانا کھاتے تھے۔ چونکہ یتیموں کے مال سے اجتناب کرنے میں بھی اُن کی احتیاط حد سے بڑھ گئی تھی جس سے بعض اوقات یتیموں کو نقصان پہنچتا تھا۔ اِس لئے خدا نے یہ حکم دیا کہ اصل مقصود یتیموں کی اصلاح ہے۔ اگر تمہارا ان سے بالکل علیحدہ رہنا ان کے حق میں مضر ہو تو ان کا ہانڈی چولھا علیحدہ نہ کرو۔ ان کو اپنے ساتھ شامل رکھو۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ یعنی اگر تم ان کو اپنے ساتھ شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں کوئی غیر تھوڑا ہی ہیں[1]۔

جاہلیت کی تہذیب اور شایستگی کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ جب وہ دشمن کے مقابلہ پر میدان جنگ میں نکلتے تو بھوکے اور خالی پیٹ نکلتے تھے۔ کھانا کھا کر لڑائی کے لیئے نکلنا ان کے ہاں معیوب گنا جاتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کا نیزہ ہمارے شکم میں لگے۔ اور کھانا باہر نکل پڑے جس سے دوسرے لوگوں کو نفرت ہو۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قوم عرب ایک ستھری اور صاف قوم تھی۔ عبد الشارق بن عبد العزیٰ جُہنی کہتا ہے ؎

رُدینۃ لو رایت غداۃ جئنا	اے رُدینہ کاش تو ہماری اُس دن کی لڑائی
علے اضماتنا وقد اختوینا	دیکھتی جس دن ہم بھوکے اور خالی شکم اپنے دشمنوں

سے لڑ رہے تھے اور ہمارے دل کینہ سے پُر تھے۔

سب سے بڑی خوبی جاہلیت کے لوگوں میں یہ تھی کہ عورتوں کے بارہ میں سخت غیور تھے۔ اُس زمانہ کی شریف عورتیں عموماً پردے میں رہتی تھیں۔ اور کسی غیر محرم کے سامنے اپنا مُنہ نہیں کھولتی تھیں۔ باندی اور بی بی کی یہ پہچان تھی کہ باندیاں کھلے منہ باہر پھرتی

[1] دیکھو تفسیر ابن جریر صفحہ ۲۰۹ جلد ۲۔

تھیں۔ اور بیبیاں اپنے چہروں پر نقاب ڈالے رہتی تھیں +

سر سید مرحوم خطبات احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ عورتوں میں اپنے گھر سے نکلنے۔ اور عام مجمع میں بدون پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا۔ اور اپنے جسم کے کسی حصّہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں۔

ہمارے خیال میں سر سید مرحوم کا یہ لکھنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ہم کو جہاں تک ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیّت میں گو بعض دیہات میں پردے کا رواج نہ تھا لیکن بڑے بڑے قصبات اور شہروں کی عورتیں کبھی غیر مردوں کے سامنے اپنا منہ نہیں کھولتی تھیں سبرہ بن عمرو فقعسی کہتا ہے کہ ؎

ونسوتکم فی الروع بادوجوھہا یخلن اماء والاماء الحرائر	لڑائی میں تمہاری بیبیاں جن کے میدان جنگ سے بھاگتے وقت شدّت خوف اور گھبراہٹ کے

باعث منہ کھلے ہوئے تھے۔ بسبب بے پردگی کے باندیاں معلوم ہوتی تھیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ باندیاں بیبیاں تھیں +

ربیع بن زیاد مالک بن زہیر عبسی کے مرثیہ میں کہتا ہے کہ ؎

قدکن یخبأن الوجوہ تسترا	مالک کے قتل سے پیشتر ہماری عورتیں پردہ

کی وجہ سے اپنے چہرے چھپائے رکھتی تھیں۔ لیکن اُس کے مرنے سے اُن کے منہ کھل گئے۔ اور اُنہیں بے پردہ ہونا پڑا۔ کیونکہ ہر صبح و شام کھلے منہ اور برہنہ سر اُس پر روتی اور اُس کے ماتم میں اپنے منہ پیٹتی۔ چھاتی کوٹتی۔ گریبان پھاڑتی۔ اور سر کے بال نوچتی ہیں ؎

پہلے تو رہتا تھا اُن کا منہ چھپا	اِس مصیبت نے دیا پردہ اُٹھا
قتلِ مالک سے ہوئیں وہ بےحجاب	اوڑھنی سر پر نہ چہرہ پر نقاب
غم میں اُس کے رُو برہنہ ہوگئیں	اَب کھلے منہ دیکھتے ہیں ناظرین

ہوگئیں ہیں حال سے بیحال وہ	نوچتی ہیں اپنے سر کے بال وہ
سینہ کوبی سے نہیں ہر دم ہی کام	پیٹتی ہیں منہ کو اپنے صبح و شام
آہ کیا وقف پریشانی ہوئیں،	ماتم مالک میں دیوانی ہوئیں
جوشِ وحشت بڑھ گیا ہی اسقدر	چاک کرتی ہیں گریباں ہر سحر

اِن اشعار سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آزاد عورتیں غیر مردوں سے ہمیشہ اپنا منہ چھپاتی تھیں۔ خدا معلوم سر سید مرحوم نے کہاں سے لکھ مارا کہ جاہلیت کی عورتیں غیر مردوں سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ یہ اشعار جو ہم نے لکھے ہیں اس بات کی کافی دلیل ہیں کہ جاہلیت کی شریف عورتیں غیر مردوں کے سامنے کبھی اپنا منہ نہیں کھولتی تھیں۔ اس کے علاوہ خود لفظ مخدرات بھی جو جاہلیت کا لفظ ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جاہلیت کی عورتیں پردے میں رہتی تھیں۔ نیز شعرائے جاہلیت نے اپنے اشعار میں عورتوں کے برقع اور نقاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس سے اُس زمانہ میں صاف طور پر پردہ کا وجود پایا جاتا ہے*

گھر سے باہر نکلنا اور عام مجمعوں میں جانا آور بات ہے۔ اور غیر مردوں کے سامنے منہ کھولنا آور بات ہے۔ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو مجمعوں میں شریک ہو۔ اُس کا مُنہ بھی کھلا ہوا ہو۔ اُمہات المومنین بھی اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر اور جہادوں میں جاتی تھیں۔ لیکن باوجود اس کے کسی غیر مرد کو اپنا منہ نہیں دکھلاتی تھیں*

واللہ اعلم بالصواب

رسُومِ جاہلیت یافت اتمام



قطعۂ تاریخ

از شاعرِ خوش بیان جناب منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت صدیقی جھنجھانوی

یہ رسومِ جاہلیت خوب لکھی واہ وا — آجکل سارے زمانے میں پڑی ہے اسکی دھوم

شوق سے دیکھیں نہ کیونکر اس کو سب خرد و کلاں — ہو خریداری پر اس کی کیوں نہ لوگوں کا ہجوم

اس کی ہر اک سطر ہے تابندہ مثلِ کہکشاں — نقطے کاغذ پر نہیں روشن ہیں گردوں پر نجوم

کارنامے جاہلیت کے ہیں مشہورِ جہاں — جودِ حاتم سے ہے سب کو واقفیت بالعموم

کام اہلِ جاہلیت کے ہوں گو از بس عجیب — قابلِ تضحیک ہوں کیسی ہی گو اُن کی رسوم

بیوقوفی اُن کی ہو ضرب المثل چاروں طرف — اُن کے سر میں گو گھسے رہتے ہوں ہر دم جغد و بوم

لیکن اُن میں پھر بھی پائی جاتی ہے اِک خاص شان — معترف ہیں جس کے سب اہلِ خرد و ذی علوم

جاہلیت کی ہر اک شے سنگریزہ ہی نہیں — ان خزف پاروں میں اکثر قیمتی بھی ہیں رقوم

وہ مقدس ملک ہے جس ملک میں یہ لوگ تھے — وہ زمیں وہ ہے جو ہے فخرِ عرب کا زاد بوم

اُس سے ایسا نور پھیلا جس سے روشن ہوگئے — خطہ ہائے فارس و ہندوستان و مصر و روم

ہوگیا گلزار پہلے تھا جو خطۂ خارزار — گل شگفتہ ہیں۔ جہاں اُگتے تھے اشجارِ زقوم

بعثتِ ختم الرسل سے ہوگئی کایا پلٹ — مرحبا۔ صلِّ علیٰ صد آفریں فیضِ قدوم

اے وجاہت فی البدیہہ مصرعِ تاریخ لکھ

دلکش و دلچسپ ہیں یہ جاہلیت کی رسوم

۱۳۴۴ ھ

